فکری، اصلاحی، دینی مجلہ
ماھنامہ
حوصلہ
جلد ۱
شمارہ ۱
MONTHLY HOSLA
مئی ۲۰۱۵ء رجب / شعبان ۱۴۳۶ھ
جزیرۃ العرب کے خونی حالات کی کوکھ سے
ایک نیا سورج جنم لینے والا ہے
خوفناک خواہش
۱۴ سو سالہ یہودیت کا منصوبہ جو خاک ہونے کو ہے۔
میڈیا
کا محاذ اور وقت کی پکار
ایمان باللہ اور ہم!
آئینہ دکھایا تو برا مان گئے۔
مسئلہ یمن - اصل حقائق کیا ہیں؟

محبوب گھونٹ، قدم، قطرے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں۔کہ کسی بندے نے کوئی دو گھونٹ ایسے نہیں پیئے جو اللہ تعالیٰ کو ان دو گھونٹوں سے محبوب ہوں۔ایک غصے کا گھونٹ جو بردباری کی وجہ سے وہ نیچے اتار لیتا ہے۔۔دوسرا مصیبت کا گھونٹ جسے آدمی صبر کے ساتھ نگل جاتا ہے۔ دو قطروں سے زیادہ محبوب دو قطرے کبھی نہیں بہائے۔ایک اللہ تعالی کی راہ میں خون کا قطرہ اور دوسرا رات کی تاریکی میں آنسو کا قطرہ۔جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اور اللہ پاک کے سوا اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔کسی بندے نے دو قدم سے بڑھ کر کبھی قدم نہیں اٹھائے جو اللہ کو زیادہ محبوب ہوں۔ایک فرض نماز کی ادائیگی کے لیے جو قدم اٹھاتا ہے۔دوسرا وہ قدم جو صلہ رحمی کے لیے اٹھاتا ہے۔

(مسند احمد)

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ

ماہنامہ

حوصلہ

جلد ۱
شمارہ ۱

MONTHLY HOSLA

مئی ۲۰۱۵ء رجب/شعبان ۱۴۳۶ھ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَالَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِّ باب کر دیتے ہیں جن کا سدِّ باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوَامَانِ لَا یَصْلَحُ وَاحِدٌ مِّنْھُمَا اِلَّا بِصَاحِبِہٖ فَالْاِسْلَامُ اَسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَالَا اِسَّ لَہٗ لَیَھْدِمُ وَمَالَا حَارِسَ لَہٗ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)

صفحات مجلّہ

اداریہ	5
خوفناک خواہش۔۔۔!	7
ایمان باللہ اور ہم؟؟؟ آئینہ دکھایا تو برا مان گئے!!!	9
احکامات جہاد کا علم حاصل کیجئے!	12
عصر حاضر میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں	16
اسلام اور ہمارا معاشرتی بگاڑ	21
شخصیت و کردار سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ	23
اسلام سے پہلے اقوام عالم کی حالت	27
مسئلہ یمن اصل حقائق کیا ہیں۔۔۔؟	29
شعور کی تربیت	31
شکست تو مقدر تھی	34
دعوتی عمل اور جہاد کا اصلاحی کردار	36
میڈیا کا محاذ اور وقت کی پکار	38
اسلام اپنا رول کیسے ادا کرسکتا ہے!	40
مسئلہ سود	44
تقویٰ	47
ترقی کا راز	51

monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور پُرمغز تحریریں اس برقی پتہ پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog
facebook.com/ehtadal
twitter.com/molanaismatulah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ“ سورۃ البقرہ ۲۰۸

(ترجمہ): اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

بلاشبہ میں تمہارے پاس خوب روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں، اگر موسیٰ (علیہ السّلام)

بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی اس کے سوا کوئی گنجائش نہ تھی کہ وہ میرا اتباع کریں۔

(معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۱)

زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے:

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام کے احکام کو پورا پورا قبول کرو اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرو، حاکم ہو یا محکوم بڑا ہو یا چھوٹا، شہری ہو یا دیہاتی، تاجر ہو یا کاری گر، کارخانہ دار ہو، مزدور ہو یا کسان، سب اسلام پر پوری طرح چلیں اور ایک دوسرے کا منہ نہ دیکھے کہ وہ چلے تو میں بھی چلوں۔ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سامنے رکھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ نماز روزہ اور ان کے علاوہ دو چار کاموں تک ہی اسلام کو محدود رکھتے ہیں اس کے علاوہ معیشت اور معاشرت، تجارت اور سیاست اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں اسلام کے احکام کی پاسداری نہیں کرتے جس طرح چاہیں تجارت کر لیں اور جو بھی چیز سامنے آجائے خرید لیں، یا بیچ دیں۔ جس محکمہ میں چاہیں ملازم ہو جائیں۔ حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ بیاہ شادی میں غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ سراسر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی کے موقعہ پر ہم پر شرعی کوئی پابندی نہیں۔ حرام حلال کی بحثوں کو فضول سمجھتے ہیں، کوئی عالم اگر بتادے کہ تمہاری ملازمت حرام ہے یا تجارت میں سود ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی ترقی سے روکتا ہے۔ جن قوموں کے دین میں چند تصورات اور توہمات اور چند اعمال کے علاوہ اور کوئی بھی پابندی نہیں ہے اپنے دین کو (العیاذ باللہ) انہیں کے دین پر قیاس کر لیتے ہیں۔ ہمارا دین جامع ہے، کامل ہے مکمل ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے احکام تفصیل کے ساتھ اسلام نے نہ بتائے ہوں۔ بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا یہ وہی چیز ہے جس کو سورۂ بقرہ کے رکوع (۱۰) میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”کیا کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کے منکر ہوتے ہو“ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے صرف دعوے دار ہی ہیں۔ اسلام کے فرائض تک پر عمل نہیں کرتے، اور کچھ لوگوں کو دینداری کا خیال تو ہے لیکن ان کی دینداری نماز تک یا ایک دو اعمال تک محدود ہے۔ اگر توجہ دلائی جائے کہ حرام ملازمت چھوڑ دو تو تیار نہیں، اگر یوں کہا جائے کہ سود کا لین دین نہ کرو تو آمادہ نہیں، اگر یوں کہو کہ حرام چیزیں فروخت نہ کرو تو کہتے ہیں کہ یہ روزی کا معاملہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑیں؟

ان کی جاہلانہ بات کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمانے میں گویا پورے آزاد ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اصحاب حکومت کی بے راہی:

جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں کے ذمہ داران ہی طریقوں پر حکومتیں چلاتے ہیں جو کافروں سے سیکھے ہیں کچہریوں میں کافرانہ اور ظالمانہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون کا نام آجائے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ کافرانہ اقوال اور افعال کے باوجود اس کے دعوے دار ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر پوری طرح عمل نہ کرنا بعض احکام کو ماننا بعض کو چھوڑنا یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ ”وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ“ شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، اور ساتھ یہ بھی فرمایا ”اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ“ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ لوگ شیطان کو برا بھی کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھی بھیجتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ پھر فرمایا: ”فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ“ ”سو اگر تم لغزش کھاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“ اس آیت میں بتایا کہ واضح دلائل آجانے کے بعد پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوئے تو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ وہ غالب ہے اس کے عذاب اور انتقام سے بچ نہیں سکتے، اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق وہ سزا دینے میں جلدی نہ کرے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ گرفت نہ ہوگی اور انتقام سے محفوظ رہیں گے۔

اداریہ

حرفِ حق

خوف کی فضاء اور دین پسندوں کا حتمی کردار

سانحہ پشاور پاکستان میں موجود دین پسند طبقے پر ایک آزمائشی کوڑا بن کر برسا۔ بے دین اور سیکولر طبقہ نے اسے اپنے لیے سرپرائز اور غنیمت جانا اور لنگوٹ کس کر میدان میں آگئے۔ سرکار اور اسٹیبلشمنٹ میں موجود بعض قادیانی، رافضی اور سیکولر قوتوں نے بھی لوہا گرم دیکھتے ہوئے ضربوں پر ضرب لگانے کی ٹھانی۔ اہل مدارس نشانے پر آگئے۔ مساجد عتاب کا شکار ہونے لگی، اذان اور دروس کی بھی مشکیں کس دی گئیں۔ مساجد کے سپیکر گوداموں کا زنگ چاٹنے لگے۔ داڑھی، پگڑی، تسبیح پر تازیانے برسائے جانے لگے۔ اہل جہا، د محافظین ختمِ نبوت اور پاسبانِ ناموس صحابہ بڑی تعداد میں پابند سلاسل کردیے گئے۔ مجموعی طور پر دین پسند طبقے کو اَن دیکھے خوف نے حصار میں لے لیا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ سانحہ پشاور سے پاکستان میں بیٹھے دین پسندوں نے واضح لاتعلقی ظاہر کی۔ غم اور دکھ کا بھرپور اظہار کیا۔ ملک کی تمام آبادی کی طرح انہیں بھی صدمہ اور غم پہنچا۔ اس کے باوجود ناکردہ گناہ کی سزا دینے کا واحد مقصد پاکستان کی تخلیق کے واحد مقصد (نفاذِ اسلام) کی سوچ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ اس صورت میں دین پسند طبقے کو چند امور کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے تاکہ ایسی صورتحال میں پاکستان کا مذہبی تشخص محفوظ و مامون بھی رہے اور سازشی عناصر کی سازشوں کو خاک چاٹنی پڑے۔ دین پسند فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی اصولوں، اسلامی شعائر اور اسلامی تشخص کی جاندار پہریداری کا عزم کریں۔ یہی باہمی اتفاق کا بنیادی نقطہ ہونا چاہیے۔ مساجد و مدارس سمیت تمام دینی تحریکوں کو برابر اہمیت دیکر سب کی حوصلہ افزائی کی تحریک اٹھانی چاہیے۔ دینِ اسلام کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی بھی گروہ کی عمومی تنقید سے احتراز برتنا چاہیے غلطیوں کی اصلاح کے لئے تعمیری راستوں کو اختیار کیا جائے۔ نفاذِ دین اور ترویج دین کے لئے طریقہ کار پر اختلاف کو بھی انا ء کا مسئلہ نہ بننے دیا جائے۔ دینی محنت کو خواص طبقات تک محدود کرنے کی بجائے پاکستان کے ہر شہری کو دین پسند بنانے کی محنت کی جائے۔ خوف کی بدولت اسلامی احکامات سے پیچھے ہٹنے کی بجائے، شریعت کے احکامات پر ہمت سے عمل کیا جائے۔ داڑھی، پگڑی، نماز، اذان اور دروس کے اہتمام کو فروغ دیا جائے۔ دین پسند طبقات، معاشرے کی دنیاوی ضروریات میں اپنا مثبت اور تعمیری کردار مضبوط طریقے سے آگے بڑھ کر پیش کریں تاکہ لوگوں میں دین پسندی کا فروغ قوت پکڑ سکے۔ ان سطور میں صرف چند ایک تجاویز آپ کے سامنے رکھی ہیں خوف زدہ قوموں کو دیوار سے لگا دینا قطعی مشکل نہیں ہوتا۔ اسی لئے لادین یہی چاہتے ہیں کہ وہ پگڑی اور داڑھی کو خوف کی علامت بنا دیں تاکہ لوگ شعائر دین ترک کرنے لگیں، بے دین ماحول طاقتور نظر آنے لگے۔ پاکستان انور سادات کا مصر بن کر رہ جائے۔ حالانکہ وہ

اس حقیقت سے کیونکر انکاری ہیں کہ عمارتیں اپنی بنیاد سے ہٹ کر خس وخاشاک ہوجاتی ہیں۔ پاکستان کی بنیاد ہی مذہب اور دین اسلام ہے۔ اسے اپنی بنیاد سے ہٹانے کی کوشش کرنے والے کبھی بھی اپنے ارادوں اور خوابوں کو شرمندہ تعبیر ہوتا نہیں دیکھ سکیں گے۔ مقتدر طبقہ کو بھی یاد رکھنا چاہیے، پاکستان پر جب بھی کوئی مشکل گھڑی آئی یہی دیندار طبقہ جذبہ جہاد وشہادت سے سرشار، سدِّ سکندری ثابت ہوں گے ۔ لادین سیکولرز کو تو ہندوستان اور اسرائیل ہی زیادہ اچھے لگتے ہیں، انہیں ایک مسلمان ملک سے کیا لینا دینا ہے۔ مختصر یہ کہ بزدل ترین شخص بھی اپنے گھر کی چار دیواری میں شیر بن جاتا ہے۔ پاکستان اسلام پسندوں کا گھر ہے انہیں اپنے گھر میں خوف زدہ ہونے کی بجائے اپنے گھر کو دین کا گہوارہ اور امن وسکون کا استعارہ بنانے کی کوششیں کرنی چاہیے، سیکولر لادین طبقہ کی ہر سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر۔۔۔

مقبوضہ کشمیر اور بھارتی مظالم کا تسلسل

اس حقیقت سے ذرہ برابر بھی انکار ممکن نہیں کہ کشمیری، بحیثیت قوم آزادی کے خواہشمند ہیں ۶۸ سالہ تحریک آزادی کی تاریخ جذبوں، قربانیوں اور استقامت سے پرنور ہے فلسطینی اور کشمیری دو ایسی عرب وعجم کی قومیں ہیں کہ اگر مؤرخ نے انکی تحریک آزادی کی روئیداد غیر جانبدار ہوکر مرتب کی، تو آزادی کی خاطر اٹھنے والی تحریکیں انہیں کی مرتب کردہ تاریخ سے، اصول تحریک، اور نمونہ تحریک حاصل کریں گی۔ فلسطینی تحریک کو مجموعی طور پر عرب حکمرانوں کے ذاتی مفادات کے تحفظ کے عنصر نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور تحریک کشمیر کو پاکستانی حکمرانوں کے ذاتی مفاداتی ایجنڈے نے بھرپور نقصان دیا۔ مگر اپنوں کی جفاؤں اور غیروں کے جبر نے دونوں قوموں کے جذبہ حریت کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو گود میں جذبہ جہاد کی گھٹی دیتی ہیں اور فکرِ حریت کی لوری سنا کر بڑا کرتی ہیں۔ سرزمین کشمیر کے جہاد میں عاقبت نااندیش حکمرانوں کے اٹکائے گئے روڑے جہاں اہل کشمیر کی تحریک آزادی پر برے اثرات مرتب کیے ہیں وہیں سرزمین پاکستان پر بھی اس کے خوشگوار اثرات ظاہر نہیں ہوئے، بلکہ ہندوستان نے کمزور تحریک آزادی سے حوصلہ پاکر ڈیموں کی تعمیر کو تیز کیا، بلوچستان کو میدانِ جنگ میں تبدیل کیا، پاکستان کی سرحدوں پر جارحانہ دباؤ کی روایت کو متعارف کروایا، ساتھ ہی ساتھ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو تنہا کرنے کی کوششوں میں بھی کافی حد تک کامیاب رہا۔ تحریک جہاد کشمیر میں ڈالے جانے والی رکاوٹوں سے کشمیری قوم شدید صدمہ سے دوچار ہوئی۔ اگرچہ انکے جذبہ اخوت کی لو اب بھی ماند نہیں ہوئی۔ مگر ہندوستان مسلسل انہیں باور کراتا رہا ہے کہ پاکستان تمہیں صرف اپنے مفادات کے تحت ہی قربانی کا بکرا بنا رہا ہے۔ سلام ہے پھر بھی اس قوم کے جذبوں کو جو آج بھی ''تیرا میرا رشتہ کیا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' اور ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے آرہے ہیں۔ ہندوستان نے عملاً کشمیریوں کو تنہا سمجھ کر ظلم وستم کی آگ کا الاؤ بھڑکا رکھا ہے۔ آزادی پسند طبقات کو مسلسل ستم کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں فقط سرینگر کا جذبہ آزادی ہی کافی قرار نہیں پاتا۔ ضروری ہے کہ اسلام آباد، لاہور، کراچی، کوئٹہ اور پشاور بھی کشمیریوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔ دامے، درمے، قدمے، سخنے انکا ساتھ دیں اور بھارتی مظالم کا منہ توڑ جواب دیں۔ بھارت کشمیری مسلمانوں کو دبا کر خطے میں تھانیداری کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اہل کشمیر کے ہر طرح کے تعاون سے اہل پاکستان کا پیچھے ہٹ جانا ایک ایسا عمل ہوگا، جس پر کہا جاسکے گا۔ ''لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی''۔ لہٰذا ضروری ہے کہ غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے کشمیری قوم اور قیادت پر باور کرایا جائے کہ ہم آپ کے قدم بقدم ساتھ ہیں۔ اس کی جو قیمت بھی ہمیں چکانا پڑی ہم چکائیں گے۔ کشمیری قوم کے ساتھ ماضی میں روا رکھا جانے والا اصحابِ اقتدار کا طرزِ عمل پاکستانی قوم کے لئے شرمندگی اور ندامت کا باعث رہا ہے۔ اب اس کا ازالہ کیا جائے۔ ہندوستان غیر اعلانیہ سیز فائر توڑ چکا ہے ہمیں بھی سیز فائر کی مالا نہیں جپنی چاہیے۔ مشرکین کو جہادی ضربوں سے انکی اصل حقیقت ان پر ظاہر کردینی چاہیے، ورنہ ہمارے بھائی مقتل کا رزق بنتے رہیں گے اور ہم تماشہ ہی دیکھتے رہ جائیں گے۔۔۔

مولانا عصمت اللہ معاویہ حفظہ اللہ

جزیرۃ العرب کے خونی حالات کی کوکھ سے ایک نیا سورج جنم لینے والا ہے

خوفناک خواہش

۱۴ سو سالہ یہودیت کا منصوبہ جو خاک ہونے کو ہے

آقائے مدنی کریم ﷺ کی بعثت اور اعلانِ نبوت عالمِ اغیار پر بجلی کی کڑک سے کم نہ تھا۔ دنیائے کفر ہل کر رہ گئی لہذا انہوں نے ہر طرح دینِ متین کا راستہ روکنے کی حتیٰ المقدور کوشش کی مگر انکی ہر کوشش تارِ عنکبوت ثابت ہوئی۔ سرزمینِ مکہ میں آپ ﷺ ہر طرح کے بدنی، ذہنی اذیتوں کو آزمایا گیا، نہ تو مدنی کریم ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا ہوئی اور نہ ہی آپ ﷺ کی جماعت کے افراد گھبراہٹ کا شکار ہوئے۔ ہر آئے روز جماعت کے افراد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد میں بھی اضافہ نظر آنے لگا تھا اور ہر چڑھتے سورج کے ساتھ ان کے اوصاف بھی فزوں تر ہونے لگے، جماعت کی باہمی محبت اور آقائے مدنی کریم ﷺ سے عقیدت کے ایسے نظارے آسمان بھی پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا نہ ان جیسا نبی آسمان دیکھ پایا تھا، نہ صحابہؓ جیسی جماعت کی کوئی مثال آسمان کے نظرِ قدیم سے گزری تھی رہبر انسانیت اور دلیل انسانیت کا یہ خوبصورت مرقع مکہ کی صعوبتوں، شعبِ ابی طالب کی آزمائشوں، ہجرتِ مدینہ کے امتحانوں سے ہوا۔ بدر واحد، احزاب وتبوک، اور فتح مکہ کے معرکوں کو سر کرتا بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ لہٰذا تلواروں اور آزمائشوں سے شکست نہ دے سکنے والوں نے ایک نیا حربہ ڈھونڈ نکالا۔ عبداللہ بن ابیٔ جیسے منافق اور ابن سلول جیسے یہودیوں کے مکارانہ ذہن نے سازش کے میدان میں اسقدر بارود بچھایا کہ جس کے اثرات کا امت آج تک سامنا کر رہی ہے، امی عائشہ صدیقہؓ پر تہمت سے انکی سازشوں کے اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔ انکارِ زکوۃ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی، کیونکہ دادا جی کے انکارِ زکوۃ کو پوتے آج بھی دل وجان سے قبول کئے بیٹھے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت میں ابولولو فیروز جیسے چالاک دشمن بھی اسی قبیل کا حصہ ہی تو تھے، اس لئے آج ایران ابولولو ملعون کو اپنا پیر ومرشد تسلیم کرتا ہے، ایران میں اسکا مزار بنایا گیا ہے، جسے یہودیت کا خود کاشتہ پودا شیعت آج بھی نظر احترام وعقیدت سے دیکھتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی فرقے کی تخم ریزی کا نتیجہ ہے، جنگ جمل اور جنگ صفین کے پس پردہ یہی وہ عوامل تھے، جو اپنا سازشی کردار پوری قوت سے ادا کر رہے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو مدینہ سے کوفہ آنے کی دعوت دینے والے اور کربلا میں ابنِ زیاد اور شمر ملعون کے سامنے تنہا اور بے دست وپا کرنے والے یہی وہ لوگ تھے جو شکاری کو شکار کے نوکِ نیزہ تک پہنچا رہے تھے۔ خانوادہ رسول ﷺ کی شہادت سے اصل انتقام تو رسول اللہ ﷺ سے لیا گیا تھا پھر بنوامیہ اور بنوعباس کی تفریق کا بیج ابنِ سلول اور ابنِ اُبیٔ کی نسل نے ڈالا، یہی وہ ایام تھے جب یہ کھل کر اسلام اور اہل بیت کا نام استعمال کر کے اپنے مذموم اور مکروہ عزائم کو تیزی سے لیکر آگے بڑھے۔ تاریخ اسلام میں جب جب بھی کبھی اسلامی تحریک خلافت نے اڑان بھری، رافضیت کھل کر میدان میں آئی، وہ وہ گل کھلائے کہ آسمان بھی ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ بغداد میں تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کی اوٹ میں انہیں کا مکروہ کردار منہ چڑاتا ہے۔ ہندوستان میں میر جعفر اور میر صادق کا کردار خود ہی منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عثمانی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں میں بھی انہی کا کردار نظر آتا ہے، المختصر خمینی انقلاب کہہ لیجیے یا پھر ایرانی، انقلاب کے بعد جو اسرائیل کے قیام اور متحدہ عرب واسرائیل جنگوں کے بعد منصۂ شہود پر ظاہر ہوا، خطے میں یہودیت کے اثر ورسوخ کی در پردہ حفاظت ہی جس کا مقصد اول تھا۔ عرب میں جب عراق طاقت بننے لگا تو گیارہ سال تک ایران وعراق جنگ نے اسرائیل کو تیزی سے تیاری کرنے کا موقع فراہم کیا، جو کہ ایران کی باقاعدہ اسرائیلی دفاعی حکمت عملی کے تناظر میں جنگ تھی، کیونکہ یہودیت اور شیعت ایک ہی سکے کے دو مختلف رخ ہیں، جو کہ اپنا اپنا کردار وقت اور میدان کی مناسبت سے طے کرتے ہیں آپ یہ جان کر حیران ہونگے کہ اسرائیل اور

ایران کا مشترکہ اور ترجیحی ہدف حرمین شریفین ہیں اور دونوں کی تیاری اسی نظریئے اور انہی بنیادی خطوط پر ہورہی ہے ۔ اگر اسرائیل کھل کر میدان میں اترتا ہے تواسے اسلامی دنیا کا غیض وغضب راکھ بنا ڈالے گا، اس لئے نام نہاد اسلامی مملکت ''ایران'' تمام تر راستوں پر تیزی سے عمل پیرا ہے۔ عراق، شام، لبنان، بحرین، یمن تک ایران اپنے سازشی پاسدارانِ انقلاب کے نظریاتی اور عسکری تربیت یافتہ جنگجو استعمال کر رہا ہے ۔ آجکل تہران کے عسکری مراکز میں اپنی ''پراکسی وار'' کے نتائج پر جشن کا سماں ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مطلوبہ نتائج کو ممکنہ حد تک حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے جارہے ہیں سب سے پہلے جزیرۃ العرب کا کنٹرول اور آخری مرحلہ حرمین شریفین پر قبضہ کی ''خوفناک خواہش'' کی تکمیل ہے۔ آج کل عراق کی سرزمین پر امریکہ اور ایران کھل کر میدانِ جنگ میں اترے ہیں جہاں اہلِ اسلام کی نسل کشی کا بازار گرم کر رکھا ہے ۔ یہی حال شام میں اسدی اور ایرانی فوج کے اتحاد کی صورت میں نظر آتی ہے ۔ لبنان میں ''حزب اللہ اور ایران کا اتحاد'' اہلسنت پر دامنِ حیات تنگ کر رہا ہے۔ ایران اور اسرائیل کی مشترکہ خواہش ہی یہی ہے کہ قبلۂ اول کے بعد اب مسلمانوں کو مرکز ایمان ویقین سے محروم کرکے تتر بتر کرکے مار دیا جائے ۔ شیعت اور یہودیت حضرت مہدی کی آمد کا یقین رکھتی ہے لہٰذا ان کی خواہش ہے کہ حضرت مہدی کے ظہور سے پہلے ہی خطے میں ممکنہ حد تک گرفت کرلی جائے تاکہ حضرت مہدی کا راستہ روکنا نہایت آسان اور ممکن ہو جائے ۔ حضرت مہدی کا پہلے بڑے معرکہ کے لئے آنے والی لاکھوں کی فوج میں شیعت و یہودیت کے اتحاد کی کوکھ سے نکلنے والے لشکری ہونگے ۔ جو مقامِ بیداء پر زمین کے پھٹ جانے سے تباہ و برباد ہوجائیں گے ۔ شیعت اپنی زندگی وموت کا آخری معرکہ بپا کر رہی ہے، کیونکہ ظہورِ مہدی سے شیعت کے نظریئے کی بلند وبانگ عمارت زمین بوس ہوجائیگی ۔ اپنے تئیں ایران واسرائیل اپنے ملک اور اپنے باطل نظریات کے دفاع کا منصوبہ حرمین شریفین پر قبضے سے ہی پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں ۔ مگر ''وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ'' پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔ موجودہ عرب کے خونی حالات کے کوکھ سے ایک نیا سورج جنم لینے والا ہے۔ اور اس کا نام محمد بن عبداللہ مہدی (علیہ الرضوان) ہوگا جو مظلوم ومقہور، مجبور وبے بس امت کی رہبری اور پاسبانی کا فریضہ سرانجام دیں گے ۔ یہ ہے وہ ''دردِ اصلی'' جو شیعت کے پیٹ میں مروڑ پیدا کررہا ہے ، جس سے چودہ سو سالہ یہودیت کا منصوبہ (شیعت کا اسلام پر قبضہ) خاک ہونے کو ہے۔ اگرچہ عالم کفار اپنی چالیں اور ترپ کے پتے تیزی سے پھینک رہا ہے مگر ان کی ہر چال ٹوٹ کر انہیں پر بوجھ بنتی چلی جارہی ہے ۔ ''وَمَکَرُوْ وَمَکَرَاللّٰہُ'' کے نظارے چہار سو رنگ ونور کی قوسِ قزح اٹھا رہے ہیں ۔ یہ سب ہوکر رہے گا۔ موجودہ سازش کے انجام کو کچھ یوں لطیف پیرائے میں سمجھیے۔۔ خادمہ کو چوری چکاری کی پرانی عادت تھی۔ گاہے گاہے گھر مالکان کے سامان پر ہاتھ صاف کرلیا کرتی تھی ۔ ایک روز گھر کا مالک اپنی گھڑی دیگر پاکٹ سامان کے ساتھ ٹیبل پر رکھ کر باتھ روم کو ہولیا۔ خادمہ نے آج بھی موقع غنیمت جانا اور گھڑی چھپالی خادمہ کی بدقسمتی کہ گھڑی الارم والی تھی، شلوار ہی اسے مناسب سوجھی لہٰذا گھڑی وہاں چھپالی ۔ مالک غسل سے فارغ ہوئے تو گھڑی ندارد۔ گھڑی نہ پاکر گھر میں تلاش پھٹک کا طوفان برپا ہوگیا۔ خادمہ بھی بڑی چابکدستی سے گھڑی ڈھونڈنے میں منہمک تھی ۔ جیسا کہ '' بچاری خادمہ'' گھڑی کے گم ہوجانے کے غم میں گھلی جارہی ہو۔ وقت کی سوئیاں بےفکر وبےغرض گھومتی چلی گئیں حتیٰ کہ الارم بج اٹھا۔ خادمہ بچاری دونوں ہاتھ گھڑی پر رکھ کر دباتی چلی جارہی ہے ۔ لیکن گھڑی ہے کہ الارم روکنے کا نام نہیں لے رہی ۔ مالک آگے بڑھا۔ خادمہ سے گویا ہوا اب اسے جتنا بھی دبانا ہے دبالے الارم بج کے رہیگا کچھ ایسا ہی ابن سلول اور ابن سبائی کی تخم ریزی سے جنم لینے والی یہودیت کی خادمہ رافضی کے ساتھ ہوچلا ہے چوری چکاری سے ڈاکہ زنی اور لوٹ مار تک کی تمام عادتوں کی مالک ''خادمہ'' نے عقائدِ اسلامیہ پر بھی بڑے گہرے ڈاکے مارے۔ قرآن تک کو بھی غیر محفوظ ثابت کرنے کی اپنی سی کوشش صدیوں سے کرتی چلی آئی۔۔ نبی مُرسَل محمد عربی ﷺ کی نیابت وامامت تک کو چھپانے کی کوشش کی۔ خلافتِ راشدہ سے تین خلفاء راشدین کو بھی چرانا چاہا۔ انبیاء کرام سے معصومیت چرا کر اپنے ہی اخذ کردہ اماموں کے گھروں میں سجانے کی کوشش کی ۔ ہر گام ہر لمحہ یہودیت نے بھی خوب خوب ساتھ نبھایا ۔ گھڑی کی سوئیاں تیزی سے گزرتی چلی جارہی ہیں ۔ یہودیت کی خادمہ کی نبضیں ڈوبنے لگی ہیں ۔ دل کی دھڑکنوں میں بھی ہل چل سی مچی ہے ۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ الارم بجنے والا ہے عراق، لبنان، شام، یمن میں خادمہ دبانے کی کوشش میں ہے ۔ مگر ظہورِ امام مہدی کا نقارہ تو بج کر رہیگا۔ سچ جانیے شیعت نظریہ امامت پر کھڑی ہے۔ جس دن حضرت مہدی ظاہر ہوئے۔ شیعت اسی دن نظریاتی موت مرجائیگی ۔ اور بدنی موت بھی حضرت مہدی (علیہ الرضوان) کے جہاد سے مرجائے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ نقارہ بج کے رہیگا۔۔ ''جاء الحق وزھق الباطل'' اہل اسلام خوف اور مایوسی کی چنگل سے نکل کر۔ باہمت ہوں۔ اور چڑھتے ہوئے سورج کی جبیں کو پڑھیں ۔ جو ''جاء الحق'' کی سرخی سے مسکرا رہا ہے، پاسبانانِ اسلام، محافظانِ صدیقؓ وفاروقؓ، سپاہیانِ عثمانؓ وعلیؓ سے لہلہاتے سرخ و شاداب کھیت وکھلیان۔۔ نہ دین پر حرف آنے دیں گے۔۔ نہ ہی حرمین کی حرمت پر راکھ پڑنے دیں گے ۔۔ سورج دیکھے گا۔ ہاں ۔۔ خوب غور سے دیکھے گا۔۔ اگر کوئی قدم حرم کی طرف اٹھا تو وہ خود پر بھی زندگی حرام کر بیٹھے گا۔۔ امت بانجھ نہیں ۔۔ غیور وجسور بیٹوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کبھی بھی امت پر کڑا وقت آنے پر ساکن نہ رہ پائیں گے۔۔ آیئے عزم کیجیے۔۔! اور تیاری شروع کیجیے۔۔۔ کہ تمہیں تو ہو حرم کے بیٹے۔۔۔ تمہیں تو ہو حرم کے پاسبان۔۔۔

مولانا محمد احمد غازی

ایمان باللہ اور ہم؟؟؟
آئینہ دکھایا تو برا مان گئے!!!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی غلامی سے بچانے کے لئے اپنی معبودیت کا اقرار لینے سے پہلے غیر اللہ کی نفی کرنے کا کہا۔

محبت کسی سے ہو تو اللہ کے لئے ہو اور نفرت کسی سے ہو تو بھی اللہ ہی کے لئے ہو۔۔۔!

ہمارا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات پر خالص ایمان کا دعویٰ ادھورا تو نہیں؟؟

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، جسکا ہر مسلمان کو بخوبی علم ہے۔ لیکن کیا کبھی ہم نے اسکے معنی مفہوم اور مطلب سے نکل کر اس کے تقاضوں پر غور کیا ہے؟ چلیں ہم اس کلمہ کے پہلے جزء ہی کو لے لیں،، لا الہ الا اللہ، کبھی ہم نے غور کیا؟ قبل اس کے کہ ہم اللہ تعالی کو الہ ماننے کا دعویٰ کریں اللہ تعالی نے چاہا کہ پہلے ہم معبودانِ باطلہ کا رد کریں تا کہ ہمارے دل ودماغ پر یہ بات عیاں ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم پر حقِ ملکیت کسی کو نہیں۔ ہمارا مالک صرف اللہ ربّ العزت کی ذاتِ بابرکات ہے۔ ہم نے اگر کسی کی ماننی ہے تو وہ اللہ ربّ العزت ہی کی ذات ہے۔ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر خوف نہ ہو، کسی غیر کی محبت نہ ہو، جو کسی اور کی محبت یا نفرت ہو، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے محبت کے آئینے میں ہو۔ الحُبُّ لِلّٰہ وَالبُغضُ لِلّٰہ کے اسلامی عقیدہ کی بنیاد پر ہو۔ محبت کسی سے ہو تو اللہ کے لئے ہو اور نفرت کسی سے ہو تو بھی اللہ ہی کے لئے ہو۔ ہم ہر ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بالکل خالص ہوجائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی وقت کا طاقتور اپنی خدائی کے زعم میں ہمیں آنکھیں دکھائے اور ہم اس خوف سے کہ پتھر کے دور میں نہ چلے جائیں اپنا تن، من، دھن حقیقی معبود (اللہ تبارک وتعالیٰ) کے حوالے کرنے کے بجائے غیر اللہ کے سامنے نچھاور کردیں۔ اپنا ایمان گنوا بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں اس کے واضح دشمن کے ساتھ کھڑے ہو جائیں۔ اس کے سامنے سر جھکائیں۔ غلامی اختیار کرلیں۔ کاسۂ گدائی پھیلائیں۔۔۔۔ یاد رکھئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی غلامی سے بچانے کے لئے اپنی معبودیت کا اقرار لینے سے پہلے غیر اللہ کی نفی کرنے کا کہا۔ یاد رہے جب تک ہم معبودانِ باطلہ کا انکار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے کا اقرار ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مضبوط رسی کو تب تک تھام نہیں سکتے جب تک ہم غیر اللہ کو دل سے نکال کر دل پاک نہ کرلیں۔ خود اللہ تعالیٰ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں: لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَہَا وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ {سورۃ البقرہ ۲۵۶} نہیں ہے زبردستی دین میں۔ ظاہر ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوکر۔ سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر۔ تو بیشک اسنے مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (از انوار البیان مولانا عاشق الٰہیؒ) ذرا متوجہ ہو جایئے اور پھر تلاوت کیجئے اللہ تعالیٰ حق کو باطل سے جدا کررہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حق کا باطل سے واضح جدا ہونے کا تذکرہ کرکے فرماتے ہیں پس جس نے انکار کیا طاغوت (معبودانِ باطلہ) کا۔ پہلے اللہ تعالیٰ "طاغوت کے انکار کا حکم" دے رہے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں، اور جو ایمان لایا اللہ پر تو بیشک اس نے اللہ کے کڑے کو مضبوطی سے تھام لیا جو ٹوٹے گا نہیں۔ گویا اس مضبوط کڑے کے نہ ٹوٹنے کی شرط یہ بتائی ہے کہ مجھے الٰہ ماننے کا دعویٰ بعد میں پہلے معبودانِ باطلہ کا انکار کرو مضبوط کڑہ ٹوٹنے سے بچا رہیگا۔ اور ایمان کی

بلندیوں پر چڑھتے ہوئے کفر کی کھائیوں میں اوندھے منہ گرنے سے بچ جاؤ گے۔ ورنہ۔۔۔کہیں ایسا نہ ہو میری عبدیت کی بھی دعویداری ہو لیکن سجدہ کہیں اور بھی کرو۔ یاد رکھو میں اس میں یکتا ہوں۔ میرا اس میں کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ {الانبیاء ۲۵} اس آیت کی تشریح میں قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی فرماتے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ اس کلام میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل میں ہی نہیں ہے بلکہ جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجا اس کو یہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم سب میری ہی خالص عبادت کرو۔ (سورہ بقرہ: لا اکراہ فی الدین والی آیت کی تشریح میں) مولانا عاشق الٰہیؒ لکھتے ہیں''جس کسی نے بھی ان طاقتوں کو نہ گردانا اور ان سے رشتہ توڑا اور ان سب سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقہ اور بڑی قوت والا کڑا پکڑ لیا ہے۔ یہ کڑا ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا اور اس کے دین کو تسلیم کر لیا اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لے آیا۔ اس نے سب سے بڑی طاقت کا سہارا لے لیا۔ اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ نہ اس قوت کو شکستگی ہے نہ زوال ہے۔ آخر میں فرمایا اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے اعمال کو جانتا ہے۔ جو صرف زبان سے مسلمان ہوا ہے اسے اسکا بھی علم ہے۔ اور جس نے جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا وہ اس سے بھی باخبر ہے (انوار البیان)۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پس حق اور ہدایت روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد جو شخص طغیان (سرکشی) اور ضلال (گمراہی) کی طرف بلانے والی (تمام تر) چیزوں سے تعلق قطع کرے۔ اور ایمان لا کر اللہ سے اپنا تعلق قائم کرے تو اس نے نہایت مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ البتہ غفلت کی وجہ سے چھوٹ سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر والوں کے دعووں کو سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے اور خدا تعالیٰ سے وابستہ ہوئے ان کو وہ اپنی خاص ہدایت اور توفیق کے ذریعے شکوک وشبہات اور وساوس اور خطرات کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا ان کے دوست اور رفیق جن وانس کے شیاطین ہیں جو انکو نورِ ہدایت اور نورِ دلائل سے نکال کر شبہات اور نفسانی خواہشات کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں (معارف القرآن)۔ ذرا سوچیے کیوں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بار بار قرآن مجید میں یہ واضح کر رہے ہیں کہ میں تمہارے دعووں کو سنتا بھی ہوں اور تمہاری نیتوں کو جانتا بھی ہوں! یاد رکھئے فیصلے نیتوں پر ہوتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا 'انما الاعمال بالنیات تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)۔ ذرا سا توجہ، سوچئے، اپنے آپ کو پرکھیئے۔ اپنے اندر جھانک لیجئے۔ کیا ہماری نیت ٹھیک ہے؟ خالص ہے؟ کیا ہم اللہ کے ساتھ مخلص ہیں؟ کہیں ہم خود کو کوئی فریب تو نہیں دے رہے؟ عبدیت کے دعوے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کر رکھے ہیں۔ لیکن کہیں ایسا تو نہیں۔۔ کہ دل پر ہیبت، تعظیم کسی اور کے لئے بھی ہے؟ ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے والے دنیا کی ہر طاقت سے بے نیاز ہوتے۔ بلکہ اگر ٹکرانے کی نوبت آتی تو بلا خوف وخطر'' کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق'' والی کیفیت ہوتی۔ کہیں کوئی فتور، کوئی کمی ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے ضرور۔۔۔ورنہ نبی کریم ﷺ کے وہ جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو تھے جنہوں نے بس اللہ کے لیے محبت کی چنگاری دلوں میں جلائی اور اسباب محدود ہونے کے باوجود روم وفارس کی عظیم طاقتوں سے ٹکرا گئے۔ پھر دنیا انگلیاں دانتوں میں دبائے دیکھتی رہ گئی کیسے یہ عظیم سلطنتیں فقط اللہ تعالیٰ کی مدد پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پاش پاش کر دیں۔ ہزاروں سالوں تک مسلمان وہاں کے حاکم رہے اور وہ کفار ہمیں جزیہ دیتے رہے۔۔۔مسلمانو! ذرا سوچو۔۔رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر سوچو۔۔ اللہ آج بھی وہی ہے۔ کلمہ ہم بھی وہی پڑھتے ہیں۔ مگر آج ہماری صورتحال پہلے سے برعکس کیوں ہے؟ کیوں ہمارے بچے ان کی طرف سے پھینکے گئے نوالوں کے محتاج ہیں؟ کیوں؟ آخر کیوں۔۔؟ ہم نے اللہ کو الٰہ تو مانا، ہم نے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ مگر الٰہ کہتے کسے ہیں؟

آیئے علامہ ابن کثیرؒ کو پڑھتے ہیں! (۱) اَلِہَ الْفَصِیْلُ اَیْ اَوْلِعَ بِاُمِّہٖ۔ اونٹنی کے بچے کا اپنی ماں کے لئے بے چین ہونا، اور دور سے لپکنا، چاؤ کرنا۔ اس حساب سے الہ کا مطلب ہوگا وہ ذات جسکی محبت میں بندہ بے چین ہو، اس کا چاؤ کرے، اسکی جانب لپکے، اور اسکی طمع کرے۔ (۲) لَاہَ یَلُوْہُ (لِیَاھًا)۔ نگاہوں سے روپوش ہونا۔ اس لحاظ سے الہ کا مطلب ہوگا وہ ذات جسکو ہم بن دیکھے بھی حد سے بڑھ کر چاہیں۔ اور غیب میں بھی اس سے ڈریں۔ (۳) وَلِہَ کا لفظ بولتے ہیں حیراں وسرگرداں ہو جانے کو۔ وَالِہٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو عقل کھو دے یا جو صحرا میں گم ہو جائے۔ اس لحاظ سے الہ کا مطلب ہوگا جسکی شان اور عظمت کے آگے آدمی کی عقل اور ہوش کے سب دعوے جواب دے جائیں اور سوائے استعجاب اور سرگردانی کے اس کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہ رہے۔ (۴) لَاہَ یَلِیْہُ یعنی بلند ہونا۔ اس لحاظ

سے الہ کا مطلب ہوگا وہ ذات جسکو آدمی نہایت بلند وبالا جانے، منزہ ومبرا مانے، اور جسکی عظمت اور شان کے آگے آدمی کی نگاہ میں ہر چیز نا چیز ہو جائے۔ (۵) اَلِہَ الرَّجُلُ۔اِذَاتَعَبَّدَ۔وَتَالَّہَ۔اِذَا تَنَسَّکَ یعنی پرستش کرنا، اور مراسم بندگی بجا لانا، انداز دینداری اختیار کرنا۔ اس لحاظ سے الہ کا مطلب ہوگا وہ ذات جسکو پوجا جائے۔ جسکے حضور سجدہ وقیام وغیرہ کیا جائے، جسکے آگے مراسم بندگی بجا لائے جائیں اور جسکے دین اور طریقے پر چلا جائے۔ ان لغوی معانی کے لئے دیکھیں تفسیر ابن کثیر جلد اول سورہ فاتحہ)۔ علامہ امام ابن تیمیہؒ الہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!! فانّ الالٰہ ھو: الّذیٔ تألھہ الْقُلُوْب عِبَادَۃً واستعانۃً، ومحبّۃً وتعظیماً وخوفاً وَرِجَاءً وَاِجْلَالًا، واِکراماً، واللّٰہِ عزّوجلّ لہ حقّ لایُشرکُ فیہ غیرُہ۔ فلا یُعبدُ الّا اللّٰہ، ولا یُدعیٰ الّا اللّٰہ، ولا یُخاف الّا اللّٰہ، ولا یُطاع الّا اللّٰہ۔۔ الہ وہ ہوتا ہے جسکے لئے دل عاجزی وگرویدگی کریں۔ عبادت کی صورت میں، استعانت کی شکل میں، محبت اور چاہت میں ڈھل کر، تعظیم کی صورت، خوف کی صورت، اس سے امید وابستہ رکھ کر، اس کے جلال سے دب کر، اور اسکی شان اونچی جانتے ہوئے، یہ ایک اللہ کا حق ہے جس میں کسی اور کو شریک کرنا روا نہیں۔ پس عبادت کسی کی نہیں سوائے اللہ کے۔ خوف کسی کا نہیں سوائے اللہ کے۔ اطاعت کسی کی نہیں سوائے اللہ کے، (فتاویٰ الامام ابن تیمیہؒ ج ۱ ص ۳۶۵ حقیقۃ شہادۃ ان لَّا اِلٰہَ الّا اللہ)۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کیساتھ ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت کا حق ہے۔۔؟ ہم نے ایمان مجمل تو پڑھا ہوگا: اٰمَنتُ بِاللّٰہِ کَمَاھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ میں ایمان لایا اللہ پر جیسا وہ اپنے ناموں اور صفاتوں کے ساتھ ہے اور قبول کئے میں نے اس کے تمام احکامات۔۔ اب غور کریں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت پر ایمان لانے کے متعلق یہیں پر بس نہیں کیا بلکہ وضاحت بھی کر دی کہ زبان سے اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے بھی گواہی دینی پڑیگی، دل سے بھی سچ جانتے ہوئے اقرار کرنا پڑیگا۔ ذرا سوچئے۔۔ ہم نے دعوٰی تو کر لیا کہ ہم نے اللہ تعالی کے تمام احکامات کو قبول کیا۔ اب یہ قبول صرف زبان سے ہے یا ہم نے دل سے بھی گواہی دی؟ اگر تو صرف زبان کا اقرار ہے جیسا کہ عمومی صورتحال سے لگتا ہے تو پھر تو ہمارے ایمان باللہ کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ اور اگر تو اقرار دل کا ہے جیسا کہ ہمارا دعوٰی ہے۔ تو پھر یہ سستی کیسی؟ احکاماتِ خداوندی سے یہ رو گردانی کیسی؟ احکاماتِ خداوندی کے متعلق نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ والی کیفیت کیسی؟ ذرا سوچئے۔ کیا ہم نے ایمان باللہ کا مفہوم، غرض وغایت کو بھی سمجھا؟ کیا ہم اپنے دعوے (قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ) میں سچے ہیں ہم اقرار باللّسان تک محدود ہیں یا تصدیقٌ بالقلب کی گواہی بھی موجود ہے؟ یا پھر۔۔۔۔ احکامات خداوندی جو ہمیں آسان لگے ان پر تو عمل ہے نماز بھی ہے۔ روزہ، زکوۃ، حج بھی ہے۔ مگر جو ہمیں مشکل محسوس ہوا، جس پر لگا گھر چھوڑنا پڑیگا، دوست واحباب چھوٹ جائیں گے، جان جائیگی، مال جائیگا، اور پھر زمانے کے باطل خداوؤں کی طرف سے سختی بھی ہے، قید، جیل، ہتھکڑی، سلاخیں بھی ہیں۔ ان سے تو بابا دوری ہی بہتر ہے۔۔ یاد رکھئے: اگر ہماری یہی کیفیت ہے تو پھر اللہ تعالی کے تمام تر احکامات کو قبول کرنے کا دعوی کیسا؟ زبان کا اقرار کیسا؟ دل کی گواہی کیسی؟ اور پھر احکامِ خداوندی کے مقابل باطل کی یہ اطاعت کیسی؟ اللہ تعالی کے بعض احکامات پر عملداری اور بعض سے یہ روگردانی کیسی؟ اور اگر یہی کیفیت ہے! تو آیئے غور کرتے ہیں۔ ہم کسی اور گروہ کے راستہ پر تو نہیں چل پڑے؟ کیونکہ یہ صفت ہماری تو نہیں تھی یہ صفت تو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کسی اور گروہ کی بیان کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ

فرماتے ہیں: بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسول کے درمیان تفرقہ کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور کوئی درمیانی راستہ نکالنا چاہتے ہیں یہ سب پکے کافر ہیں۔ اور اللہ تعالی نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ سورۃ نساء/ 151۔ اور اگر کیفیت یہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالی کے تمام احکامات پر عملداری ہے۔ ہر ہر حکم پر دل وجان سے ایمان ہے۔ کیفیت اٰمنّا وصدّقنا ہے۔ اٰمنتُ باللہ ہے۔ کما ھو باسمائِہٖ وصفاتہٖ ہے۔ قبلتُ جمیع احکامہٖ ہے۔ اقرار باللّسان ہے۔ اور تصدیق بالقلب بھی ہے۔ تو پھر مسلمانوں کی ایک دوسرے کے درد سے یہ نا آشنائی کیونکر ہے۔۔۔؟ بہنوں کی بے حرمتیوں پر بھائیوں کی یہ بے خبری کس بات پر ہے۔۔۔؟ چلیں خبر ہے! پھر یہ بے دردی، یہ بے حسی کیسی؟۔۔ جلتے ہوئے مسلمانوں کی لاشوں پر مسلمانوں کا یہ آنکھیں بند کر لینا کیسے ممکن ہوا؟ امت مسلمہ کی ہی یہ مظلومی کیسی؟ پھر اس مظلومیت پر ہماری بے اعتنائی، لاپرواہی کیسی؟ مسلمانوں کی بے کسی پر ہماری یہ بے حسی کیسی؟ اگر یہ سب کچھ !!!! (امت کی مظلومیت۔۔۔ بے حرمتی۔۔ جلنا۔۔ کٹنا۔۔۔ بے کسی۔۔ بے بسی۔۔ پسماندگی۔۔ درماندگی۔۔) ہے۔۔ اور پھر یہ سب کچھ (ہماری لاپرواہی۔۔۔ بے اعتنائی۔۔۔ خود غرضی۔۔۔ بے فکری۔۔۔ بے حسی) بھی ہے۔۔ تو پھر۔۔ تو پھر۔۔۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمُ۔۔ کے وصف کا کیا ہوا؟ جو بھائی چارگی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان بنائی تھی وہ عمل کہاں کھو گیا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں کہ جسم کے کسی حصہ کو بھی درد ہو پورے جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس حدیث پر خود کو جانچیئے! اسلامی اخوت کی دعویداری تو ہے لیکن ہمارے ہی بھائی۔۔۔۔

بقیہ: صفحہ نمبر (۳۰) پر

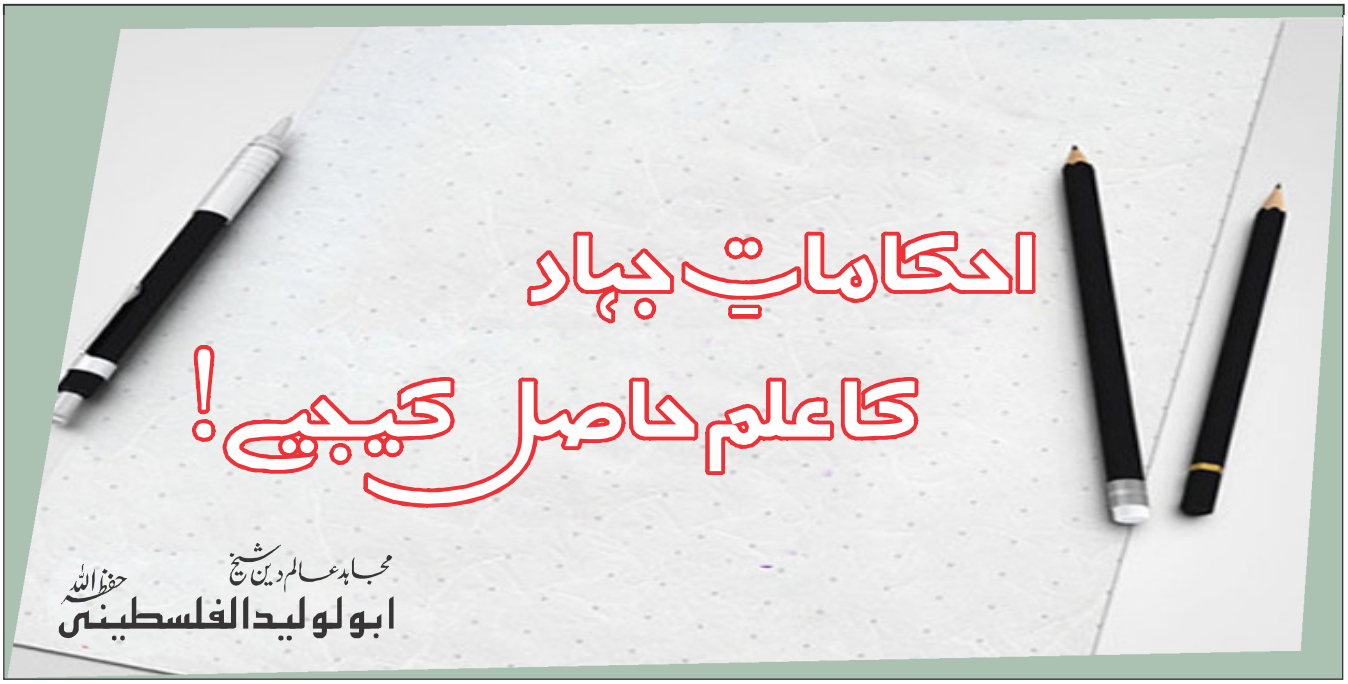

احکاماتِ جہاد کا علم حاصل کیجیے!

مجاہد عالم دین شیخ
ابو لولید الفلسطینی حفظہ اللہ

اسلام میں جہاد کی فضیلت غیر متنازعہ ہے۔!

شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس سے کوئی صاحبِ علم انکار نہیں کر سکتا۔ نہ ہی فضیلتِ جہاد کو بیان کرنے والی قرآنی آیات اور نبوی احادیث سے صرفِ نظر ممکن ہے۔ جہاد کی فضیلت سمجھنے کے لیے تو بس یہ جان لینا کافی ہے کہ قرآن کریم کی تقریباً ایک چوتھائی آیات جہاد ہی سے متعلق ہیں۔ بلکہ ہم نے تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ و مشائخ سے یہاں تک سنا تھا کہ قرآن کریم کے چار بنیادی موضوعات ہیں اور چاروں ہی کا جہاد سے براہ راست تعلق ہے۔ پہلا موضوع ہے توحید کا اثبات اور جہاد کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے تا کہ توحید قائم ہو۔ دوسرا موضوع ہے نبوت کا اثبات جن میں سب سے آخری نبوت خاتم الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی۔ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ آپ ﷺ تو مبعوث ہی تلوار کے ساتھ کیے گئے۔ اور جہاد کو آپ کی شریعت کا مستقل جزو بنا دیا گیا۔ تیسرا موضوع ہے حلال وحرام کے احکامات کا بیان!! اور انہی احکامات کے قیام ونفاذ کے لیے جہاد کو واجب کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ چوتھا موضوع ہے آداب ومعاملات کا بیان: اور ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کا معاشرہ داخلی طور پر منظم و مرتب ہوتا ہے تا کہ اہل اسلام یکسوئی سے خارجی دشمنوں کے خلاف قتال کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کا اپنا معاشرہ فساد کا شکار ہوگا اور ان میں داخلی انتشار برپا ہوگا تو وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف کیسے لڑ سکیں گے۔ یہ اس نکتے کا خلاصہ ہے جو میں نے اپنے بزرگ استاد شیخ اکرام الدین بدخشانی حفظہ اللہ سے اپنے طالب علمی کے زمانے میں سنا تھا۔ آپ دس جلدوں پر محیط، عربی زبان میں لکھی گئی ایک تفسیر کے مصنف ہیں اب تو آپ کی عمر سو سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے، اللہ آپکی حفاظت فرمائے اور آپ کی علم کو امت کے لیے نفع کا باعث بنائے (آمین) جہاد کی فضیلت کے حوالے سے میں نے یہ بات آپ کے علاوہ بھی متعدد اہل علم سے سنی ہے اور اسی سے مشابہ بات امام غزالیؒ نے جواہر القرآن میں، امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطیؒ نے الاتقان اور اسرار ترتیب القرآن وغیرہ میں ذکر کی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تفاسیر اور علومِ قرآن کی کتب میں سے شاید ہی کوئی کتاب اس نکتے سے خالی ہو۔

احکاماتِ جہاد سے لاعلمی، جہاد کی قبولیت ہی خطرے میں ڈال دیتی ہے!

جہاد کی فضیلت ذہن میں رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک اور نکتہ سمجھنا بھی اہم ہے جسے امام نوووی، امام ابن تیمیہ، اور امام سیوطی رحمہم اللہ سمیت کئی اہل علم نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ ان حضرات نے لکھا ہے کہ جہاد ایک ایسی عبادت ہے جو فرض عین ہو یا فرض کفایہ، بہر دو صورت اس کا نفع محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر انسانوں کو بھی اس سے نفع پہنچتا ہے۔ لیکن اگر یہی عبادت شریعت کے مقرر کردہ طریقے سے ہٹ کر ادا کی جائے تو اسکا ضرر بھی محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ ایسے کئی خوش قسمت لوگ جن پر اللہ تعالی نے خصوصی کرم فرماتے ہوئے انہیں فریضہ جہاد کے ادائیگی کی توفیق دی، وہ جہاد کے بارے میں اس کے فضائل کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ میدان جہاد میں ایسے کئی مجاہد بھائی مل جاتے ہیں جو جہاد کی فضیلت سے متعلق آیات واحادیث تو بخوبی جانتے ہیں لیکن جہاد ہی سے متعلق معروف، بنیادی فقہی احکامات تک کا علم نہیں رکھتے بعض اوقات تو محاذوں پر سالہا سال گذارنے کے بعد بھی ایک بھائی اپنی پست علمی کی اسی سطح پر کھڑا رہتا ہے جس کے ساتھ وہ پہلی بار میدان میں آیا تھا،

انا للہ وانا الیہ راجعون! ایسے مجاہد کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہے جو یہ بات تو بخوبی جانتا ہے کہ نماز ارکان اسلام میں سے ایک بنیادی رکن اور کفر واسلام کے درمیان حدِّ فاصل ہے، اور وہ نماز کی فضیلت اور اس کے ثواب کا بھی علم رکھتا ہے، لیکن اسے شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا نہیں آتی اور نہ ہی اس نے کبھی نماز سے متعلق فقہی احکامات سیکھنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ پس جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک بے ڈھب نماز پڑھنے والے سے کہا تھا۔۔اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ۔۔(لوٹو اور اپنی نماز دہراؤ کیونکہ بلاشبہ تمہاری نماز نہیں ہوئی) تو اسی طرح بے ڈھب انداز سے جہاد کرنے والے شخص سے بھی یہی کہا جائیگا کہ لوٹو اور اپنی جہاد دہراؤ کیونکہ تمہارا جہاد نہیں ہوا!۔۔۔یہاں تک کہ وہ احکام جہاد سیکھ لے اور اپنے جہاد کو شریعت کا پابند بنا لے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری تو دو چند ہے!

میری ان باتوں سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں ہوگا کہ میں ان لوگوں کے موقف کی تائید کر رہا ہوں جو یہ کہہ کر فرضِ عین جہاد سے دور بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ حصولِ علم میں مصروف ہیں یا اپنی دینی تربیت بہتر بنا رہے ہیں ایسے لوگوں پر، بالخصوص علمائے کرام پر تو سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجاہدین کی صفوں میں موجود علمی کمزوریاں دور کرنے کے لیے محاذوں کا رخ کریں علم عمل کے لیے حاصل کیا جاتا ہے اور اس وقت کا اصل میدانِ عمل، میدانِ جہاد ہی ہے۔ لہذا میرا مقصود جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی تائید کرنا نہیں بلکہ اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے کہ جس مسلمان پر بھی جہاد فرض ہو چکا ہو اس پر احکامِ جہاد سیکھنا بھی فرض ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ مجاہدین کے لیے کون سے احکامات سیکھنا واجب ہے؟ اور وہ احکامات سیکھنے کی عملی صورت کیا ہوگی؟ تو میں کہوں گا کہ حصولِ علم کے معاملے میں ہم مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

عام مجاہد کے لیے کتنا علم ضروری ہے؟

پہلا گروہ عام مجاہدین کا ہے، ان کے لیے جہاد کے عمومی اور اصولی احکامات سیکھ لینا، جہاد کے مقاصد سمجھ لینا اور جہاد کے ضروری آداب جان لینا ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ مثلاً مختلف نیتوں کا حکم، اطاعتِ امیر کی حدود وقیود، وعدے کو وفا کرنے اور امان کا احترام کرنے کا وجوب، معرکے کے وقت ثابت قدم رہنے کی فرضیت اور فساد پھیلانے کی حرمت وغیرہ۔ اسی طرح ایک عام مجاہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے لیے دورانِ جنگ کیا کام کرنا جائز ہیں اور کیا ناجائز: مثلاً اسے عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت معلوم ہونی چاہیے اور یہ اصول بھی معلوم ہونا چاہیے کہ۔۔الاصل فی الدماء العصمة۔۔یعنی یہ کہ ہر ذی روح سے معاملہ کرتے ہوئے بالاصل یہی فرض کیا جاتا ہے کہ وہ معصوم ہے اور اس کا خون بہانا ناجائز ہے۔ پھر اس کے بعد انہی لوگوں پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے جن کے خون کا مباح ہونا کتاب اللہ یا کسی صحیح ثابت سنت سے واضح ہو۔ کسی ٹھوس دلیل اور واضح حجت کے بغیر کلمہ گو اہل ایمان کا خون بہانا اللہ ربّ العزت کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

فتوے کے لیے کس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے؟

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہر وہ شخص جس نے چند آیات اور احادیث حفظ کر لی ہوں، اس بات کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ فتوے دینے اور شرعی مسائل بیان کرنے لگے۔ اس مقام پر تو اسی شخص کو فائز کیا جانا چاہیے جو آیات واحادیث سے شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استدلال کر سکے اور حقیقی علماء کی طرح فروعی مسائل کو حل کرتے ہوئے اصولی امور کو مدِ نظر رکھے، مسئلے کے تمام پہلوؤں کا پوری دقت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لے اور اور اللہ سے ڈرتے ہوئے پوری امانت کے ساتھ شرعی مسائل میں زبان کھولے۔ پس فتویٰ ایسے راسخ اہل علم ہی کی طرف لوٹایا جانا چاہیے اور ایسے ثقہ علماء ہی سے شرعی مسائل پوچھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا حال یہ ہو کہ اس سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ آگے بڑھ کر دس کا جواب دے تو اہل علم اور صاحب قدرت لوگوں کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ دین کی حفاظت اور شریعت کی نگہبانی کی خاطر ایسے لوگوں پر کڑی پابندی عائد کریں اور انہیں انکی حقیقی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ ائمہ سلف رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے جو انکی کتب میں بصراحت موجود ہے۔ خوب جان لیجئے کہ فتوے کے مقام پر فائز ہونا کوئی سہل امر نہیں بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے خود کو طلب علم میں کھپانا اور گھلانا پڑتا ہے۔ اور مستقل مشق کر کے اپنی صلاحیت اور تجربہ بڑھانا پڑتا ہے۔ تبھی تو سلفِ صالحین میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ۔۔۔۔حضانة العلم عشرون۔۔۔'' یعنی علم بیس سال تک تو گہوارے ہی میں رہتا ہے'' گویا طالب علم کا علمی بچپن ختم ہونے میں بھی بیس سال لگ جاتے ہیں، پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، مزید علم عطا کرتے ہیں۔

امت مسلمہ سے معاملہ کرتے ہوئے عوام کا عذر ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ہم آج ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب جہل عام اور علم نادر ہو چکا ہے، اور باعمل علماء اور مخلص داعیانِ دین تو اور بھی نادر ہیں۔ ہر سمت کفار کا غلبہ اور ظلم کا دور دورہ ہے، جس کے سبب اہل علم کے لیے کھل کر حق بات کہنا بھی نہایت دشوار ہو چکا ہے۔ چنانچہ عامّۃ المسلمین کے لیے کئی اہم امور میں درست احکامات تک رسائی مشکل ہوگئی ہے اور اسی لیے عوام ایک درجے میں معذور بھی سمجھے جائیں گے، جیسا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں بصراحت لکھا ہے۔ پس علماء اور امراء دونوں پر واجب ہے کہ وہ سیاست شرعیہ سے

متعلق امور میں اور بالخصوص اس مظلوم ومقہور امت سے معاملہ کرتے ہوئے امت کے عوام کا یہ عذر اور جبر و استبداد کے یہ حالات مدنظر رکھیں۔

خونِ مسلم اور تکفیر کے معاملات میں احتیاط واجب ہے!

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ اگر کسی شخص کی جان لینے کے معاملے میں ہمیں اشکال درپیش ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ اس کا خون بہانا جائز ہے، تو ایسے میں احتیاط کی روش اختیار کرنا واجب ہوگا۔ ائمہ کرام رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں اقدام کرنے کے بجائے ہاتھ کھینچنا لازم ہے۔ یہاں ہم اس بات کی تائید میں اہل علم کے بعض اقوال نقل کیے دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ اپنی کتاب ۔۔۔التفرقہ بین الاسلام والزندقہ۔۔۔میں لکھتے ہیں:

”یَنبَغِی الْاِحْترازُعن التَّکفِیرِ مَاوُجِدَ اِلَیہِ سَبیلاً،فِاِنَّ استباحَۃَ دِمائِ المُصلِّینَ المُقرِّینَ بالتوحِیدِخطأٌ، والخَطأُفی تَرکِ الفِ کافرٍ فِی الُحیاۃِاَھُونُ مِن الُخطأِفی سفکِ دمٍ لِمُسلمٍ واحدٍ“

مطلوب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے گریز کیا جائے، کیونکہ توحید کا اقرار کرنے اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنے والوں کے خون کو (کسی بالکل واضح شرعی دلیل کے بغیر) مباح قرار دینا غلط ہے۔ اور ایک ہزار کافروں کو غلطی سے زندہ چھوڑ دینے کی نسبت ایک مسلمان کا خون غلطی سے بہا دینا زیادہ بھاری بات ہے۔!

اسی طرح امام قرطبیؒ مسلم شریف کی شرح۔المفہم۔میں لکھتے ہیں: ”وباب التکفیر خطرٌ ولا نَعدلُ بالسّلامۃِ شیئاً“ ”تکفیر کا باب خطرات سے پر ہے۔ اور ہمارے نزدیک خود کو خطرات سے بچائے رکھنے سے اہم کوئی شے نہیں“۔ ایک مرتبہ فقیہ عبدالحقؒ نے امام ابوالمعالیٰ الجوینی سے خوارج کی تکفیر بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ: ”ادخالَ کافرٍفی المِلّۃِ واخراجَ مسلمٍ عنها عظیمٌ فی الدِّین“ ”کسی کافر کو امت میں شامل کرنا اور کسی مسلمان کو امت سے نکال دینا دونوں ہی اللہ تعالی کے نزدیک بہت بھاری باتیں ہیں۔ (اس لیے میں اس خطرناک معاملے میں بولنے سے گریز کروں گا۔) یہی سوال قاضی ابوبکرؒ باقلانیؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے توقف اختیار کرتے ہوئے کہا:

”لَم یُصرّحِ القومُ بالکُفرِ، وانّما قالوااَقوالاً تُؤدِّی الی الکُفر“ ”ان لوگوں نے صریح کفر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایسے اقوال کہے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں“ علامہ ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ۔عقود رسم المفتی۔میں لکھتے ہیں کہ:

وکُلِّ قَولٍ جاءیَنفِي الکُفرا
عَن مُسلمٍ ولوضعیفاًأَحرَی۔

”ایک مسلمان کا ہر وہ قول جو اس کی تکفیر میں مانع ہو، اسے قبول کرلینا چاہیے خواہ وہ کوئی کمزور بات ہی کیوں نہ ہو“ پس مسلم معاشرے اور بالخصوص مجاہدین کے درمیان اس فہم کو پھیلانا ان شاء اللہ جہاد کی حفاظت کا ذریعہ بنے گا اور اسے ہوائے نفس کے گڑھوں اور شبہات کی دلدلوں میں پھنسنے اور انجامِ بد کا شکار ہونے سے بچائے گا۔ انسانی جان لینے کے معاملے میں جرأت کا مظاہرہ کرنا جہل کی دلیل ہے اور جاہل اس بات کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کہ اس کی نفسانی رغبات کو لگام دینے کے لیے اسے شرعی قیود وضوابط کا سختی سے پابند بنایا جائے، بجائے اس کے کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا پھرے اور شیطان کو بھی اس پر مسلط ہونے کا خوب موقع ملے۔

مقصود کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے، نہ کہ محض قتل وغارت!

سورہ نساء میں وارد ہونے والے فرمانِ الٰہی {فَیُقتَل اَوْیَغْلِبْ} کے ذیل میں علماء نے ایک نکتہ بیان کیا ہے جسے یہاں ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”وإنّما قال : فیُقتل اَو یغلِبُ، تنبیهاً علی أنّ المجاهد یَنبغِیْ اَنْ یّثبُتَ فی المَعرَکَۃِ حتّی یُعِزّ نَفسَهٗ بِا لشّهادۃِ،او الدِّینَ بِا لظّفرِ وَالغَلَبۃِ، واَنْ لّاَ یکُونَ قَصدُهٗ بِا لذّاتِ الی القتلِ،بَل الی اَعلائِ الحقِّ واِعزازِالدِّین“ ”اس آیت مبارکہ میں یہ کہنے کی بجائے کہ (وہ قتل کردیا جائے یا دشمن کو۔۔قتل۔۔کردے) یہ کہا گیا ہے کہ وہ قتل کردیا جائے یا دشمن پر۔۔غالب۔۔آجائے، جس سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ مجاہد کو یہ چاہیے کہ وہ معرکے میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ یا تو اسے شہادت کا اعزاز مل جائے یا وہ دین کو فتح اور غلبہ دلا دے۔ پس ایک مجاہد کی اصل نیت قتل وغارت کرنا نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اسے کلمہ حق کی سربلندی اور دین کی سرفرازی پر نگاہ رکھنی چاہیے۔“

مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ راسخ علماء کی رہنمائی میں چلیں!

الغرض، ایک عام مجاہد کے حوالے سے ہماری نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ شرعی مسائل میں احتیاط کی روش اختیار کرے۔ اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کی جان ومال کی حرمت وحلت کے معاملات اور تکفیر کے مسائل کو طالب علموں کی بجائے راسخ علمائے کرام کے سپرد کردے، جو ان مسائل میں خوب غور وفکر کے بعد ٹھوس علم کی بنیاد پر رائے دیں ہر مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ وہ فتوی دینے کے اہلِ علمائے کرام سے پوچھے بغیر ان مسائل میں کوئی قدم نہ اٹھائے۔

علمی ذوق کے حامل مجاہدین کے لیے کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟

دوسرا گروہ ان مجاہدین کا ہے جو علم حاصل کرنے کی رغبت بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے ممکن بھی ہے کہ وہ اپنی کوششیں اس میدان میں کھپائیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ علم حاصل کرنے میں گزاریں۔ ایسے مجاہد بھائیوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی باقی

مصروفیات منقطع کر کے حصول علم ہی کو سب سے زیادہ وقت دیں۔ لیکن یہ علم میدان جہاد میں رہتے ہوئے ہی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اس صورت میں جہاد کی فرضیت بھی ادا ہو جائیگی، علم اور جہاد جیسی دو افضل عبادات جمع کرنے کا شرف بھی مل جائیگا اور میدان جہاد میں پیش آنے والے عملی مسائل کا مشاہدہ بھی قریب سے کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسے مجاہد ساتھیوں کی بنیادی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احکامات سیکھیں، جہاد کے مسائل حفظ کریں اور اس کے فروعی اور نازک امور پر بھی گرفت حاصل کر لیں پھر اگر میدان جہاد ہی میں کسی عالم یا اپنے سے زیادہ علم والے طالب علم کی صحبت میسر آ جائے جسے پابندی کے ساتھ کسی کتاب کا متن سنایا جا سکے، اس متن کی شرح سمجھی جا سکے اور اسکی سر پرستی میں اس متن کو حفظ کیا جا سکے، تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو حصول علم کا وہ اصل طریقہ ہے جو سلف کا ورثہ ہے اور اس امت میں نسل در نسل رائج رہا ہے۔ نیز یہ کوشش ہونی چاہیے کہ احکامات جہاد سے متعلق جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگے وہ اس کا مطالعہ کر ڈالے احکامات جہاد کے ساتھ ساتھ اس کو باغیوں اور مرتدین کے احکامات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مطالعے کا آغاز شروحاتِ حدیث میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے سے ہونا چاہیے اور اس کے بعد اسی موضوع پر ائمہ اربعہ کی کتبِ فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد علامہ ابن حزمؒ کی کتب اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہا اللہ وغیرہ کی کتابیں بھی دیکھ لینی چاہییں۔ پھر مختلف پیچیدہ اور متنوع عملی مسائل کا جواب جاننے کے لیے مالکیہ اور احناف کے فتاویٰ کو ترجیحاً پڑھنا چاہیے، کیونکہ مالکی و حنفی علماء رحمہم اللہ کی کتب میں ان موضوعات پر جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اور اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر خیر کی توفیق دیتی ہے اور اس کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں!!

امرائے جہاد سے بڑھ کر علم کا محتاج کوئی نہیں!

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علم اور اہل علم کی صحبت کے سب سے زیادہ محتاج مجاہدین کے امراء ہیں۔ امرائے جہاد کے لیے اپنی علمی سطح بڑھانے پر مستقل توجہ دیتے رہنا لازم ہے۔ سیاست شرعیہ کا فہم حاصل کرنے کے اور رعیت سے متعلق معاملات منظم کرنے میں امراء کے لیے جو چیز سب سے زیادہ معاون ثابت ہوگی وہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، فتوحات اسلام، عمومی کتبِ تاریخ اور مشاہیرِ امت کی زندگیوں کا مطالعہ ہے۔ یہ سلف کے کئی عادل بادشاہوں اور امرائے اسلام کا طرز رہا ہے، اللہ ان سب پر رحمت فرمائے۔۔ (آمین)۔۔ پس امرائے جہاد کو چاہیے کہ وہ حصول علم کا اہتمام کریں اور اگر مصروفیت وغیرہ کے سبب خود مطالعہ نہیں کر سکتے تو کسی ساتھی کے ذمے لگائیں کہ وہ روزانہ ان کتب میں سے کچھ نہ کچھ حصہ پڑھ کر انہیں سنا دیا کرے۔ ان شاء اللہ یہ طریقہ بھی ان کے لیے بہت نافع ثابت ہوگا۔

حصول علم میں مانع شیطانی وساوس کا مختصر جواب!

بات سمیٹتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ عزائم بلند ہوں تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لہذا اس شیطانی وسوسہ کو خاطر میں نہ لایا جائے کہ میدان جہاد کے مخصوص حالات میں علم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے علم حاصل کرنے کا آغاز کیجیے۔ میرے علم میں نہیں کہ حصول علم کے لیے جو شرحِ صدر میدانِ جہاد میں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور بھی حاصل ہوتا ہو۔ میں نے بیت اللہ شریف (اللہ اس کے شرف وعظمت میں مزید اضافہ فرمائے۔۔آمین) کے عین سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے، جب کہ میرے اور کعبہ شریف کے درمیان محض چند گز کا فاصلہ تھا اور میں نے محاذوں پر دشمن کے بالکل قریب پہنچ کر بھی یہی تجربہ کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں نے حصولِ علم کے لیے جو شرح صدر محاذوں پر پایا وہ کہیں اور نہیں پایا۔ اور جس کو میری یہ بات سمجھ نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کر لے {اَجَعلْتُم سِقایَۃَ الْحاجِّ وَ عِمارَۃَ الْمَسجِدِ الحَرامِ کَمَن اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الاٰخِرِ وَ جاھَدَ فی سَبیلِ اللّٰہِ لا یَستَوٗنَ عِندَ اللّٰہِ واللّٰہُ لا یَھدِی الْقَومَ الظّٰلِمِینَ} التوبہ ۱۹ ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور ر مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' نیز یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ موجودہ زمانے میں حصول علم کے عمل کو آسان بنانے کے لیے جو اسباب وذرائع میسر ہیں وہ پہلے کبھی نہیں موجود تھے۔ کئی نئی ایجادات نے بہت سے ایسے کاموں کو آسان کر دیا ہے جو کل تک نہایت دشوار تھے۔ آج مشرق میں کہی جانے والی ایک بات یا لکھا جانے والا ایک لفظ چند لمحوں میں مغرب تک پہنچ جاتا ہے، حالانکہ گزشتہ زمانوں میں ایک ایک بات جاننے کے لیے طلبائے علم مہینوں اور بعض اوقات سالوں سفر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حصول علم کو آسان بنانے میں آڈیو کیسٹوں کا کردار اور تفاسیر، احادیث اور کتبِ فقہ میں سے مطلوبہ عبارتیں ڈھونڈ نکالنے کے لیے کمپیوٹر کا کردار بھی کسی سے مخفی نہیں۔ پھر خود مطبوعہ کتب بھی آج جس وافر مقدار میں موجود ہیں، جس اعلیٰ معیار پر چھپتی ہیں اور علمائے کرام نے ان کتب کے اندر تفصیلی فہرستوں اور حاشیہ جات اور حوالوں کا جو اہتمام کیا ہے، وہ سب بھی کتب سے استفادہ بہت آسان بنا دیتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ہمارے پاس حصول علم میں کوتاہی کا کوئی جواز باقی رہتا ہے؟ والتوفیق بید اللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عصرِ حاضر میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں

محمد صدیق مدنی

ہمیں کوئی جاہ ومنزلت، دولت کی لالچ یا حکومت کرنے کا شوق یہاں کھینچ کر نہیں لایا بلکہ "یہاں اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ جس کو وہ چاہے اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں، اور مذاہب وادیان کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا معاشرہ بے شمار بیماریوں میں لت پت ہو چکا تھا، مثلاً اس وقت ان کے پاس کوئی رہبر و پیامبر نہیں تھا بس جس فرد کے من میں جو آتا وہ اس کو کر گزرتا تھا۔ اس معاشرہ میں بسنے والے اپنے متعلقین خواہ ان سے کتنا ہی بڑا خونی رشتہ نہ ہو اس کی تمیز کیے بنا وہ ان کے حقوق کو غصب کرتے ہوئے اپنی ذاتی منفعت و استراحت کے لیے سب کچھ کر گزرتے تھے۔ اس معاشرے کو جن مسائل کا سامنا تھا ان میں سے ایک اہم مسئلہ ملت کی مجموعی فلاح و بہتری کی سوچ وفکر کرنے والا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اس معاشرے میں بھی بہت سے افراد انفرادی طور پر روحانی زندگی بسر کر رہے تھے ماسبق کتب کی روشنی میں اسی بات کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا ہے "ترجمہ۔" وہ سب برابر نہیں اہلِ کتاب میں سے ایک فرقہ سیدھی راہ پر ہے وہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ (سورہ آل عمران 114-113) اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے افراد اس معاشرے میں موجود تھے جو ذاتی اور انفرادی طور پر صالح الاعمال اور سلیم العقل تھے۔ مگر افسوس کہ وہ بحیثیت اجتماعی، بہتر انسانی معاشرے کے قیام سے یا تو عاجز تھے یا انہوں نے اپنے نیکوکار ہونے پر اکتفا کر لیا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی کے اس انسانی معاشرے کی ان تمام کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے کوئی مناسب و موثر قیادت میسر نہ آ رہی تھی ایسے میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو یہ شرف بخشا کہ نبی مکرم رسول معظم ﷺ کی بعثت اور آخری امت کی بعثت فرمائی۔ مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ساتویں صدی میں جس خلا کو پوری صلاحیت اور قدرت کے ساتھ ملت اسلامیہ نے پر کیا تھا، وہ عالمی قیادت کا خلا تھا۔ اس خلا کا پر ہونا امت اسلامیہ کی بعثت کا کرشمہ ہے، جس کا ایک ایک فرد مینارہ نور، حامل ایمان ویقین تھا، جس نے ظلمتوں میں اپنی راہ پیدا کی (زمانے کا حقیقی خلاء 17) "امت اسلامیہ کی بعثت یعنی بھیجے جانے کے بہت سے ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہیں یہاں اختصار کے پیش نظر اتنا عرض کروں گا کہ آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ربعی ابن عامرؓ فارس کے بادشاہ رستم کے دربار میں اسلام کا پیغام امن وآشتی لے کر جاتے ہیں تو اس پر رستم نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ وہ کون سی بات ہے جس نے آپ کو اپنے علاقہ ترک کر کے یہاں آنے مجبور کیا؟ تو حضرت ربعی ابن عامرؓ نے جواب میں جو الہامی کلمات کہے وہ سونے سے نقش کرنے کے قابل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی جاہ ومنزلت، دولت کی لالچ یا حکومت کرنے کا شوق یہاں کھینچ کر نہیں لایا بلکہ "یہاں اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ جس کو وہ چاہے اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں، اور مذاہب و ادیان کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں" اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دین اسلام نے جانوروں سے بھی بدتر معاشرے کی قیادت سنبھالی اور ان کی اصلاح وفلاح کا علم لہرایا۔ یہ اسلام ہی کا امتیاز ہے، اسلام کے اس امتیاز کو جاننے کے لیے اولین اسلامی حکومتوں کے حالات کو تفصیل سے

پڑھا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر کے مسائل!

عصر قدیم کا معاشرہ جس طرح بے پناہ امراض کے سبب متعفن ہو چکا تھا آج عصر حاضر کی صورتحال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔آج معاشرے کا ہر فرد اپنی انفرادی دنیوی زندگی اچھی سے اچھی بسر کرنا چاہتا ہے، وہ بنا کسی تمیز و چھان بین کے تمام وسائل مادیہ کا جائز و ناجائز استعمال کرکے اپنی ذاتی زندگی بہتر اور اچھی بسر کرنا چاہتا ہے۔ یعنی اچھی گاڑی، اچھا گھر، بینک بیلنس، سماج میں بڑا عہدہ و بڑا نام، یہ سب کچھ حاصل کرنے کی فکر میں منہمک ہے۔اگر چہ یہ امر اسلام کی نظر میں مکمل طور پر معیوب نہیں ہے ہاں البتہ اسلام اتنی دعوت فکر ضرور دیتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جو وسائل حاصل کیے ہیں ان کے حصول کا واسطہ وطریقہ جائز ہونا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اگر آپ کو اللہ نے آپ کی محنت کی بدولت عنایات وعطایات سے نوازا ہے تو ایسے میں اللہ کے احسان مند رہیں اپنی اس کامیابی کو ذاتی تفاخر و بالادستی کے لیے استعمال نہ کریں، اور اسی طرح اپنے حلال مال کو خرچ کرنے میں اسراف وتبذیر سے احتراز کریں۔اور سب سے بڑھ کر اپنی زندگی کے مکمل ضابطہ حیات میں اس اللہ واحد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیں جس کی عنایات کی بدولت آپ دنیا میں بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہوئے ہیں۔

میں اس مقام پر عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو مسائل کی بہت طویل فہرست ہے مگر اختصار کے پیش نظر میں چند اہم مسائل کی جانب اشارہ کروں گا۔اولاً قیادت کا فقدان ثانیاً مادیت میں غلو پر مبنی سوچ وفکر، ثالثاً ذمہ داری کا عدم احساس، رابعاً اخلاقی پستی، خامساً اجتماعیت کی عدم دستیابی اور سادساً عصر حاضر کی ضرورتوں سے ناواقفیت۔

قیادت کا فقدان!

جیسا کہ میں ما سبق میں ذکر کر چکا ہوں کہ اسلام کی آمد کا مقصد ہی انسانیت کو بہترین، پاک صالح، خداترس اور انسان دوست اور اللہ تعالیٰ سے خشوع وخضوع رکھنے والی قیادت کی فراہمی تھی۔اسلام نے انسانیت کو جو قیادتیں فراہم کیں ان کی مثالیں پیش کرنے کی آپ کے سامنے اگر چہ ضرورت نہیں مگر بطور یاد ہانی کہ چند شخصیتوں کی مثال پیش کرتا ہوں۔آنحضرت ﷺ کے جانشین اول سیدنا صدیق اکبرؓ نے منصب خلافت سنبھالتے ہی جو خطبہ دیا تھا وہ انسان دوستی پر مبنی تھا اس میں آپؓ نے فرمایا تھا کہ میرے نزدیک آپ میں سے طاقتور اس وقت تک کمزور ہے جب تک میں غریب کا حق اس سے نہ لےلوں اور آپ میں سے کمزور اس وقت تک میرے نزدیک طاقت ور ہے جب تک میں اسکو طاقت ور سے اسکا حق نہ دلا دوں" دین اسلام سے محبت آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔آپ نے جب وفات النبی ﷺ کے بعد فتنوں کو دیکھا اور ان فتنوں کی سرکوبی کرنے کا ارادہ کیا تو سیدنا عمرؓ نے مشکلات و مسائل کی جانب توجہ دلائی، اس وقت آپؓ نے فرمایا کہ "اینقص الدین وانا حی" کہ (انسانیت کے عالمگیر اور متوازن نظام حیات یعنی) دین اسلام میں کمی کی جائے اور میں زندہ ہوں یہ امر محال ہے۔سیدنا عمر فاروقؓ جن کے زمانہ خلافت میں فتوحات فارس وروم کی شکل میں اسلام کی سلطنت میں اضافہ ہوا۔خشیت الٰہی اور احساس ذمہ داری ان میں اس قدر رچی بسی تھی کہ وہ فرماتے تھے کہ "دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو کل روز قیامت عمرؓ اس کا جوابدہ ہوگا" اسلام کے پیام عالمگیر کو دنیا بھر میں پہنچانے کے لیے اپنی جدوجہد صرف کرنے والے حضرت عقبہ بن نافعؓ نے فرمایا تھا کہ یہ سمندر حائل نہ ہوا ہوتا تو میرا قافلہ برابر چلتا چلا جاتا یہاں تک کہ آخری کنارے تک میں اسلام کا پیغام آفاقی پہنچا چھوڑتا۔عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج جس سے مسلمان برسرپیکار ہیں وہ قیادت کی عدم دستیابی ہے۔عالم اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت سے نواز رکھا ہے مگر باوجود اس کے آج مسلم حکمران اغیار کی خوشنودی کے لیے اپنی تمام تر خدمات پیش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں پر ذلت مسلط ہو چکی ہے۔جس اسلام نے انسانیت میں قیادت کی کمی کو دور کیا تھا آج وہ ہی قیادت کی کمی کا شکار ہیں۔

مادیت میں غلو پر مبنی سوچ وفکر!

عصر حاضر میں جس طرف نظر ڈالی جائے وہیں پر ہر فرد، ہر جماعت، ہر قوم پر مادیت کی سوچ وفکر کا غلبہ نظر آتا ہے۔سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ" فکر بڑی نعمت بھی ہے اور بڑا عذاب بھی۔ ہر وقت گھر کی فکر، زیادہ کمائی کی فکر، دولتمند بننے کی فکر، زیادہ ترقی کرنے کی فکر، تو یہ تمام فکریں خدا کا عذاب ہیں لیکن ملت کی فکر خدا کی بڑی نعمت ہے یہ درد اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو عطا فرماتا ہے جن پر اس کا کرم ہوتا ہے۔یہاں تک کہ لوگ ایسے آدمی پر رحم کھانے کے لیے کہتے ہیں کہ اسکو کسی وقت چین نہیں ہر وقت ملت کے غم میں ڈوبا رہتا ہے۔مسلمان خدائی فوج دار ہے مسلمان کو کب فرصت، مسلمان کے لیے کہاں کا عیش (اسی جانب توجہ دلاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا "الدنیا سجن المومن "یعنی دنیا تو مومن کے لیے قید خانہ ہے، جیسے ایک قیدی قید خانے میں زندگی تو گزارتا ہے لیکن اسے بے چینی لاحق رہتی ہے اسی طرح مومن اس دنیا میں زندگی تو گزارتا ہے لیکن اسے دارِ آخرت کی بے چینی لاحق رہتی ہے) مادیت میں غلو پر مبنی جو فکریں ہم پر سوار ہو چکی ہیں اسی (ملت) کی فکر کے نہ ہونے کے سبب سے ہیں اگر یہ ایک فکر نصیب میں آجائے تو سب فانی فکروں سے نجات مل جائے (ملت کے نوجوان اور

ان کی ذمہ داریاں 19)"مولانا روم نے اپنی مثنوی میں ایک عبرت آموز واقعہ تحریر کیا ہے،فرماتے ہیں کہ "کل رات کا واقعہ ہے کہ ایک ضعیف العمر آدمی چراغ لیے شہر کے گرد گھوم رہے تھے اور اندھیری رات میں کچھ تلاش کر رہے تھے میں نے کہا حضرت سلامت آپ کیا تلاش کر رہے ہیں وہ فرمانے لگے مجھے انسان کی تلاش ہے میں چوپایوں اور درندوں کے ساتھ رہتے رہتے عاجز آ گیا ہوں۔میرا پیمانہ صبر سے لبریز ہو چکا ہے اب مجھے ایسے انسان کی تلاش ہے جو خدا کا شیر اور مرد کامل ہو۔میں نے کہا بزرگوار اب آپ کا آخری وقت ہے انسان کو آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے اس عنقا کا ملنا آسان نہیں۔میں نے بھی بہت ڈھونڈا ہے لیکن نہیں پایا۔ان بزرگ نے جواب دیا کہ میری ساری عمر کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کو سنتا ہوں کہ وہ نہیں ملتی تو اس کو اور زیادہ تلاش کرتا ہوں۔تم نے مجھے اب اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ میں اس گم گشتہ انسان کو اور زیادہ ڈھونڈوں اور اس کی تلاش سے باز نہ آوں(آدمیت سے بغاوت

از سید ابوالحسن ندوی)"

احساس ذمہ داری!

آج انسانوں بالخصوص مسلمانوں میں احساس ذمہ داری کا عنصر مفقود ہو گیا ہے۔یوں جانا جاتا ہے کہ ہم دنیا میں بس کھانے پینے،لہوولعب میں وقت برباد کرنے،شادی بیاہ،سیر و تفریح کے لیے آئے ہیں اور پھر مر کر ختم ہو جائیں گے۔آخرت کے انجام کی کسی کو کوئی فکر نہیں، کوئی نہیں جاننا بلکہ جاننا بھی نہیں چاہتا کہ اس کے پیدا کرنے کا مقصد اصلی کیا ہے کیوں کہ اگر وہ یہ جان لے گا تو اس سے ذمہ داری نبھانے کا مطالبہ کیا جائے گا اور آج کا انسان اپنا کام کرنے کو بالکلیہ تیار نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے واضح الفاظ میں انسان کی تخلیق کے مقصد کو بیان فرما دیا ہے"**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**(سورہ الذاریات56)"اور نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو مگر بندگی کے لیے۔بندگی یہ نہیں ہے کہ نماز،روزہ،حج ادا کر لیا اور چند خوشی غمی کی رسوم کو پورا کر دیا بلکہ عربی جاننے والے سمجھتے ہیں کہ بندگی کا مفہوم بڑا وسیع ہے،انسان کی ساری کی ساری زندگی اللہ تعالی کے سامنے تسلیم ہو جانا ہی کامل بندگی ہے۔اسی طرح انسان پر لازم ہے کہ وہ خود زندگی کے الٰہی ضابطہ حیات یعنی اسلام پر چلے اور اپنے قرب و جوار میں بالخصوص اور ساری انسانیت تک بالعموم اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی جہد مسلسل کرے۔اس فرض سے ہر وہ آدمی سبکدوش نہیں ہو سکتا جو دعویدار ہے اس بات کا کہ اس نے محمد عربی ﷺ کے پیغام کو مکمل طور پر قبول کر کے اسلام کو اپنی دنیوی زندگی کا کامل ضابطہ حیات مان لیا ہے۔

> نوجوانوں کا کردار اوران کی ذمہ داریاں ہر دور میں مسلم رہی ہیں اسلام کی دعوت کو عروج ملنے میں بھی نوجوانوں کا بڑا کردار ہے۔نوجوانوں کی اہمیت اسلام میں مسلم ہے اسی لیے آپ ﷺ نے اپنی حیات کے اواخر میں جس لشکر کو تیار کروایا اس کی قیادت باوجود جلیل القدر صحابہؓ بشمول سیدنا عمر فاروقؓ کی موجودگی میں اس وقت کے بمشکل اٹھارہ سالہ نوجوان حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سونپی۔دنیا میں اب تک تمام برپا ہونے والے انقلابات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بھی انہی کا کردار عیاں نظر آتا ہے۔خود برصغیر سے انگریز کے انخلاء اور تحریک آزادی میں نوجوانوں کے کردار کو کسی صورت فراموش نہیں کیا جا سکتا

اخلاقی پستی!

زمانہ قدیم کی طرح عصر جدید کے معاشرے میں انسانوں کا باہمی تعلق مطلب پرستی اور مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے قائم ہے۔موجودہ دنیا کے انسان میں خدا پرستی پر نفس پرستی غالب آ چکی ہے،آج کا انسان مادیت کا غلام بن چکا ہے،اس میں انسانیت کا احساس مٹ چکا ہے،ہر فرد جنسی خواہشات اور مادی ضروریات کی رو میں بہا جا رہا ہے کسی بھی وقت وہ ذرا ٹھہر کر یہ سوچنے پر تیار نہیں کہ اللہ نے اس کو معدہ و پیٹ کے ساتھ دماغ،دل اور روح بھی عطا کی ہے اور اس کی بالیدگی کے لیے لازم ہے کہ انسان اپنے اخلاقی اوصاف کو درست کرے اپنے دل میں پوری انسانیت کا درد پیدا کرے کیوں کہ انسانوں کی سوچ وفکر اوران کے عمل کا اثر پوری کائنات کے اخلاق اور معاملات پر پڑتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو معلم اخلاق بنا کر بھیجا تھا۔قرآن میں ارشاد ہے"**انک لعلیٰ خلق عظیم**" آپ ﷺ کا اپنا فرمان ہے کہ"**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**"کہ میں اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اجتماعیت کی عدم دستیابی!

موجودہ معاشرے کو ایک اہم عنصر جو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے وہ باہمی اتحاد و یگانگت کی عدم دستیابی ہے۔موجودہ معاشرہ متعدد طبقوں میں بٹ چکا ہے یعنی ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔اسی سبب سے دشمنان اسلام ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹتے جا رہے ہیں۔کیوں کہ اتحاد و اتفاق میں برکت ہے چرند ،پرند،حیوان اور انسان میں سے جو بھی اس کو اپنا لے اس میں فطرتی طور پر قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور دشمن کے دل میں انکا خوف گھر کر جاتا ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو باہمی اتحاد و اتفاق اور آپس میں بھائی چارگی کی فضا پیدا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس پر ریاست اسلامیہ مدینہ میں آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین میں مواخات مدینہ قائم کر کے عملی ترغیب دی۔اسلام کے دامن عافیت میں پناہ لینے

والے تمام افراد کو یکساں حیثیت مل جاتی ہے، شخصی امتیازات کے سبب مراتب کی درجہ بندی تو ہوسکتا ہے مگر بحیثیت مسلم ان میں کسی قسم کی تقسیم روا نہیں رکھی یہ صحابہ کرامؓ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ہمیشہ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ کہ یہی لوگ کامیاب ہیں یہی لوگ راشد ہیں، یہی لوگ مومن ہیں وغیرہ مگر افسوس آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام کے پیغام کو ملکی، سیاسی، مذہبی، صوبائی، لسانی، قومی عربی وعجمی جیسی تقسیمات میں بانٹ کر ملت کی اجتماعیت پر شب خون مار چکے ہیں۔

عصر حاضر کی ضرورتوں سے ناواقفیت!

موجودہ دور میں ایک اور امر جس کا ہم مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ کہ وقت کے تقاضوں اور ضروریات سے بے پرواہ ہو چکے ہیں۔ اس امر میں کوئی دورائے نہیں کہ اسلام تا قیامت انسانیت کی راہنمائی کے لیے آیا ہے اس پر لب کشائی کی اجازت کسی کو نہیں البتہ زمان ومکان کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اسلامی دعوت کو اسی پیرائے میں پیش کرنے کی ممانعت بھی ہرگز نہیں کی گئی۔ قرآن پاک میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ترجمہ' کہ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور موعظ حسنہ خوش اسلوبی کے ساتھ دعوت دیں۔ موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے ،انسان چاند پر اپنی کمند ڈال چکا ہے، عمل اور تجربہ کے بناء کسی بات کو کوئی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی طرح اسلام کی دعوت کو پورے عالم میں پہنچانے کے لیے دعوت کے اسلوب پر از سر نو داعیان دین غور کریں۔ آج کا معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہے یا تو وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے سرے سے ہی واقف نہیں اگر واقف ہے بھی تو اس سلسلے میں کام کرتے وقت حکمت و دانائی کے عطیہ سے خالی ہے اور دوسرا جو عصر حاضر کے تقاضوں سے واقف تو ہے مگر وہ مغرب کی اندھی تقلید میں ہی اپنی نجات و بھلائی محسوس کرتا ہے ہمارے معاشرے میں غالب عنصر اسی دوسرے طبقے سے ہیں۔ اس دوسرے طبقے کے زاویہ فکر کو درست کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو کام میں لانے کے لیے اور پوری انسانیت کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں جس امر کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اسلوب دعوت کو درست کیا جائے۔ سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ انبیا کی دعوت اور اصلاحی تحریکات کی دعوت میں فرق یہ ہے کہ بعض تحریکیں اور دعوتیں ایمان بالآخرت کی ترجمانی بہت اچھی طرح کرتی ہیں اور بہت تفصیل کے ساتھ اور دلنشین انداز و طریقہ پر اس کی حکمتوں اور زندگی پر اس کے خوشگوار اثرات اور اخلاقی نظام میں اس کی اہمیت کا ذکر کرتی ہیں، لیکن ہر ذہین شخص محسوس کرسکتا ہے کہ یہ آخرت کا صرف ایک اخلاقی ضرورت اور ذریعہ اصلاح وتربیت کے طور پر استعمال ہے اس لیے کہ اس کے بغیر بہتر سماج اور صالح معاشرہ کا قیام مشکل ہے، یہ کوشش بعض وجوہ سے لائق تحسین ضرور ہے مگر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طریقہ فکر اور طریقہ عمل انکی سیرت و کردار اور ان کے خلفا و نائبین کے طریقہ زندگی سے کھلے طور پر مختلف ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء ایمان ووجدان، احساس وشعور اور ذوق وشوق کا نام ہے ،وہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے تمام احساسات و جذبات کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جبکہ اصلاحی تحریکیں اس کو قانونی حیثیت سے تسلیم کرنے کی ظاہری شکل ہے۔ انبیاء آخرت کا ذکر اس وقت کرتے ہیں جب بے ساختگی، لذت، لطف و کیفیت کو محسوس کرلیں اور اس کی دعوت بڑی قوت، گرم جوشی، اور یقین کے ساتھ قبول کرتے ہیں دوسری جانب اصلاحی تحریکوں کے لوگ اخلاقی وسماجی ضرورت کے بقدر اسکا ذکر کرتے ہیں، اور قومی اصلاح اور اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے اسکی دعوت دیتے ہیں۔ (معرکہ ایمان و مادیت 108 از سید ابوالحسن ندوی)

مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں!

عصر حاضر میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں ویسے تو ان کی فہرست طویل ہے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ نوجوانوں کا کردار اور ان کی ذمہ داریاں ہر دور میں مسلم رہی ہیں اسلام کی دعوت کو عروج ملنے میں بھی نوجوانوں کا بڑا کردار ہے۔ نوجوانوں کی اہمیت اسلام میں مسلم ہے اسی لیے آپ ﷺ نے اپنی حیات کے اواخر میں جس لشکر کو تیار کروایا اس کی قیادت باوجود جلیل القدر صحابہؓ بشمول سیدنا عمر فاروقؓ کی موجودگی میں اس وقت کے بمشکل اٹھارہ سالہ نوجوان حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سونپی۔ دنیا میں اب تک تمام برپا ہونے والے انقلابات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بھی انہی کا کردار عیاں نظر آتا ہے۔ خود برصغیر سے انگریز کے انخلاء اور تحریک آزادی میں نوجوانوں کے کردار کو کسی صورت فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ نوجوانوں کی اہمیت کا احساس و ادراک علامہ اقبال میں بدرجہ اتم موجود تھا اس لیے انہوں نے اپنے کلام کا وافر حصہ نوجوانوں سے متعلق تحریر کیا وہ فرماتے ہیں

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند

نوجوانوں کی ذمہ داریوں اور ان کے کردار پر بہت سے لوگوں نے لکھا ہے مگر سب سے زیادہ مفصل انداز میں قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے سورہ کہف کا نام ہی ان نیک نوجوانوں کے واقعہ کی جانب اشارہ کرنے کے لیے اللہ نے رکھا کہ جو اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان کر چکے تھے۔ اسی طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے قرب وفات اپنے بیٹوں کو جو نصیحت کی قرآن پاک نے واضح بیان فرمادیا حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو سات باتوں کی وصیت کی۔

1۔توحید کی دعوت!

اے میرے بیٹوں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا بیشک شرک بھاری ظلم عظیم ہے۔

یعنی زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اللہ کو پکارنا

2۔اللہ کی ذات باریک بین ہے!

بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے۔۔سورہ لقمان (16

"اے بچے نماز قائم کر" (سورہ لقمان 17)

"اے میرے بیٹو نماز قائم کرنا" کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست مدد طلب کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

3۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ!

"وامر بالمعروف وانھی عن المنکر" سورہ لقمان (17)

" نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا"۔یہ فریضہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے صدقے ملت اسلامیہ کو عطا فرمایا ہے کیوں کہ یہ امر اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہے

4۔مصائب ومشکلات پر صبر کرنا!

"والصبر علی مااصابک ان ذٰلک من عزم الامور "(سورہ لقمان 17) جو مصیبت تم پر آجائے اس پر صبر کرنا بیشک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔انسان کو زندگی میں مصائب ومشکالات میں سے گذرنا پڑتا ہے تو ایسے میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔اسلام نے مشکلت پر صبر کرنے کی بڑی اہمیت بیان کی ہے۔

5۔کبر وغرور سے اجتناب کرنا!

"ولاتصعر خدک للناس ولاتمش فی الارض مرحا،ان اللہ لایحب کل مختال فخور"

(سورہ لقمان 18)"اور لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا،اور زمین پر اترا کے نہ چل کسی تکبر کرنے والے اور شوخی بگھارنے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا"

6۔رفتار وآواز میں اعتدال!

"واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر"

(سورہ لقمان 19)"اور اپنی رفتار میں میانہ روی پیدا کر اور آواز کو پست رکھ بیشک آوازوں میں سے بدتر آواز گدھے کی ہے" آج کا نوجوان دنیا کی رنگینی میں مستغرق ہوچکا ہے ،مادیت کی دلدل میں دھنس چکا ہے۔وہ اپنی ذمہ داریوں سے انتہا درجہ تک غافل ہوچکا ہے لہو ولعب میں وقت گذارنے میں سکون قلبی محسوس کرتا ہے ،فلمیں ،ڈرامے،فیس بک اور سوشل میڈیا پر اپنا وقت برباد کرنے کو اپنی بلند ہمتی اور ترقی جانتا ہے اور بات کرنے پر وہ اس مثل کی طرح "چور الٹا کوتوال کو ڈانٹے" کا نمونہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اپنی ذاتی زندگی میں بااختیار ہیں اور ہم من چاہی زندگی گذارنے میں ہم مکمل آزاد ہیں باپ،استاد،دوست اور داعی کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے نجی وذاتی معاملات میں مداخلت کریں۔لندن میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت سید ابوالحسن ندوی نے فرمایا تھا کہ "عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آپ کو جنھوں نے یہاں بھیجا ہے ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ آپ اچھے سائنس دان ،اچھے ٹیکنیشن ،اچھے انجینیر ،اچھے ڈاکٹر،اچھے آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے ماہر بن کر جائیں۔اگر آپ نے صرف سائنس دان صرف انجینیر اور صرف قانون دان بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا،آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہیے کہ اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہیے اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کرکے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہیے،آپ کو اپنے ملکوں میں جاکر کہنا چاہیے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔اگر آپ نے مشرق جاکر کہا کہ مغرب سرتا پا خیر ہے اور سراسر بے عیب ہے تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا،اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی ،آپ کو یہاں سے واپس جاکر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں ؟اس کی قوت کا کیا راز ہے،اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟اسی طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں،جو اس کو گھن کی طرح کھائی جارہی ہیں،وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے ،ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے احتراز کرنا ہے اور کون کون سی باتیں ہیں جن کی مشرق کو تقلید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(مغرب سے صاف صاف باتیں از سید ابوالحسن ندوی 57-58) میں اپنی گذارشات مغرب کے شہر آسٹریا کے مشہور عالم علامہ اسد کے تجربات اور ان کی زندگی کے خلاصہ پر ختم کرتا ہوں۔انہوں نے اپنی کتاب اسلام دوراہے پر میں تحریر کیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مغرب کی جدید تحقیق ،ریسرچ،ادب وثقافت اور ان سے سائنس ،ٹیکنالوجی،ریاضیات وغیرہ کی تعلیم ضرور حاصل کریں مگر ان کے علم کے ساتھ ان کی تہذیب وثقافت کو ہرگز نہ لیں کیوں کہ یہ امر مسلم تہذیب کے خاتمے کا موجب بنے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں اور شناخت کو درست طور پر تھامنے اور ان کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔شاعر مشرق علامہ اقبال کے اس شعر میں جو پیغام نوجوانوں اور عام الناس کو دیا گیا ہے کہ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے کام کریں یا نہ کریں مگر اپنی ذات کی بہتری کے لیے تو کچھ کر گذریں پر اپنی بات ختم کرتا ہوں

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
میرا نہیں بنتا تو نہ بن اپنا تو بن

اسلام اور ہمارا معاشرتی بگاڑ

اللہ رحم فرمائے، معاشرے کے وہ طبقات جو مغرب اور اسکی تعلیمات سے سخت متاثر ہیں۔خود کو روشن خیال، لبرل، سیکولر اور ماڈریٹ کے نام دیکر پھولے نہیں سماتے۔حقائق اور مستقبل سے اس قدر بے خبر شاید کبھی آسمان نے نہ دیکھے ہوں۔اگر مجھ سے پوچھیے تو لکیر کے فقیروں کا یہ ایسا گروہ ہے۔جسکا نہ ماضی ہے اور نہ ہی حال۔مستقبل تو پشیمانیوں اور پریشانیوں کی دلدل ہی ہے۔اللہ کے محبوب پیغمبر اور مخبر صادق محمد عربی کریم ﷺ ایک زمانہ اور اس وقت کے جدت پسندوں کا تذکرہ کچھ یوں فرماتے ہیں کہ وہ لوگ یہود ونصاریٰ کی پیروی کریں گے۔اگر یہود ونصاریٰ ''گوہ'' کی بل میں داخل ہوئے تو یہ بھی ''گوہ'' کی بل میں داخل ہوں گے۔کیا ہماری آنکھیں آج اس منظر کو عملاً نہیں دیکھ رہیں؟؟ مغربیت کا جادو کس قدر سر چڑھ کر بول رہا ہے۔مغرب سے مشابہت میں تمام حدیں پھلانگی جا رہی ہیں۔نوکر اپنے سردار کا نقال ہے، غلام اپنے آقا کی وضع قطع اختیار کر کے اپنی ذہنی غلامی کا ثبوت دیے چلا جا رہا ہے۔انھیں روپے سے ڈالر اچھا لگتا ہے۔مدینے سے واشنگٹن بھلا محسوس ہوتا ہے۔قرآن سے ناول دلچسپ دکھائی دیتا ہے۔اسامہ سے اوباما امن کا خوگر سمجھا جاتا ہے۔عالم دین سے پادری میں انھیں کشش محسوس ہوتی ہے۔لاہور سے لندن انھیں جنت دکھائی دیتا ہے۔اپنی رفیقہ حیات سے راہ چلتی دوشیزہ انھیں زیادہ حسین لگتی ہے۔زم زم سے شراب کی بو انھیں مزہ دیتی ہے۔نور سے بجلی کا بلب انھیں بہتر دکھائی دیتا ہے۔مدرسے سے آکسفورڈ انکی نظر میں اچھا ہے۔مسجد سے قلب انھیں پر رونق دکھائی دیتا ہے۔آذان سے موسیقی کی دھن انھیں لذت دیتی ہے۔کھلے کپڑوں سے تنگ جینز انھیں راحت فراہم کرتی ہے۔داڑھی کی بجائے شیو انکے حسن کو بڑھاتی ہے۔انکے مذہب میں حیا دقیانوسی ہے۔شرم جہالت ہے۔انسانی حدود و قیود غلامی ہے۔انکے مذہبِ روشن خیالی میں ہر وہ کام فرض ہے، جو مغرب کا پسندیدہ ہے۔ہر وہ عمل سنت ہے، جسکا مغرب دلدادہ ہے۔یہ مغرب پرست طبقہ جب بھی مغرب کی ترقی کے ترانے گائے گا۔۔تو سنت و فرض، طہارت و وضو، مسجد و تلاوت کو ساتھ ساتھ دوش دے گا۔انھیں پاکستان کی ترقی کی رکاوٹ میں ''مولوی و ملا'' ہی نظر آئیگا۔یہ بیچارے چاند پر ہوتے اگر پاکستان میں مدرسے نہ ہوتے۔انکے سیٹلائٹ و سیارے آسمان ڈھانپ چکے ہوتے۔اگر پاکستان میں قاری اور قرات نہ ہوتی۔انھیں ہر بیماری کا سبب اسلام، مدرسہ، مسجد، علماء اور مجاہدین نظر آتے ہیں۔انکی چاند گاڑیاں فراٹے بھرنے والی تھیں۔چاند پر تحقیقی یونیورسٹیاں بنانے والے ہی تھے۔کہ باپردہ بیٹیوں کے نظر آنے پر یہ خوف زدہ ہو گئے اور انکا خواب ٹوٹ گیا۔

آہ۔۔۔تمہاری سوچ اور واہ تمہاری۔۔۔عقل۔

مغرب پرست۔۔۔مغرب پرستی کے جنون اور حق نمک کے لیے۔۔دین اسلام کے فرائض اور سنن، تہذیب و

معاشرت میں ۔۔کیڑا کاری کے لیے وہ دین دار اور صالحین کو سیڑھی بناتے ہیں۔ بظاہر گالی اور طعنہ دین دار کو دیا جائے گا۔لیکن اصل کے اعتبار سے سینے میں کھولتے ہوئے اسلام کے بغض کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ گالی۔۔ ملا اور مجاہد۔۔ کو مگر نشانہ دین اسلام ہوگا۔ کوئی بھی معاشرہ ہو اسکی خامیوں کے اثرات ہر شخص پر مرتب ہوتے ہیں۔ کہیں کم اور کہیں وہ اثرات زیادہ نظر آتے ہیں۔ اگر ان معاشرتی خامیوں کا اثر۔۔ مسجد کے کسی مولوی، مدرسے کے کسی قاری، کسی خطیب اور عالم دین میں نظر آجائے تو۔۔الامان والحفیظ۔

''کیا دین انھیں یہی سکھاتا ہے'' کا گولہ فوراً داغ دیا جائے گا۔داڑھی رکھ کر یہ کام کرتے ہو شرم کرو۔۔۔مجرم کے جرم میں۔۔داڑھی جیسی سنت واجبہ کو دوش دے دیا گیا۔ایسے قبیح افعال وخیال کے حاشیہ بردار۔۔کچھ غیر عمداً یعنی سوچے سمجھے بغیر عام معاشرتی روش میں کہہ جائیں گے۔اور کچھ تو تھے ہی اسی انتظار میں۔بس موقع ملا تو آڑے ہاتھوں لے لیا۔بغض دین کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔خدارا سوچیے۔۔آپ آخر کیوں۔؟ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد ''کفر پسند'' ہو گئے۔مغربیت کے جادو کے زیر اثر پرورش پانے کے بھیانک نتائج پر غور کیجئے۔خود اپنے ہاتھوں سے تہذیب محمدی ﷺ کی تجہیز و تکفین سے باز رہیئے۔اپنی آخرت و عافیت کی تباہی کے سامان سے خود کو بچا لیجیے۔ مغرب کی چکا چوند ترقی نے انسان کو انسانیت کی بلندی سے حیوانیت کی پستی کی طرف دھکیل دیا ہے۔شرافت و تقدس کے باغ و بہار سے نکال کر بے حیائی کے ویرانوں پر لا پھینکا ہے۔عزت و وقار کے عروج سے ذلت و رسوائی کے زوال پر لا کھڑا کیا۔۔۔ کہاں اخوت کے جذبوں کا اظہار اور کہاں سیلف رسپیکٹ (SELF RESPECT) کے نام پر خود غرضی کی لعنت۔آپ انصاف سے کام لیجیے۔سلیم الطبع بن کر اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والی خوبیوں وخامیوں اور مغرب کے مادر پدر آزاد معاشرے کی خوبیوں و خامیوں کا جائزہ لیجیے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کریں۔آپکا مستقبل کہاں محفوظ ہے اور کہاں غیر محفوظ؟ آپکی آنے والی نسلوں کے اخلاقی اقدار، بے لوث فکری پروان، مخلصانہ معاشرتی رویے، خاندانی رشتوں کی بحالی، حفاظت اور بڑھوتری۔شرم و حیا اور عفت و پاکیزگی کی بادِ بہار، المسلم اخوہ المسلم کی مضبوط زنجیر سے جڑا۔۔باہمی تعلق۔۔یہ بھی۔۔اور بہت کچھ بھی۔۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ اور پروان سے حاصل ہوگا۔ یا مغرب کی ہوسِ زر و زن میں لتھڑی تعلیمات سے یہ سب مل جائے گا۔خود ہمت کیجیے۔ مغرب کے معاشرے میں ذرا جھانک کر دیکھ لیجیے۔ اہل مغرب اور مغرب پرستوں کے اخلاقی اقدار کو ٹٹولیے۔۔۔آپکو بے چینی، ہوس اور لالچ کے علاوہ کچھ نہ مل پائے گا۔حیرت ہے کہ اہل مغرب تلخ تجربات کے بعد اصل یعنی فطرتی رویوں کو ڈھونڈنے نکل رہے ہیں۔ ہمارے ''مشرقی'' مغرب کے قمقموں کی رنگین رعنائیوں پر فریفتہ ہو کر۔۔دل دے بیٹھے ہیں۔۔یا۔۔دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔حیرت انگیز طور پر مغربی تعلیمی، ثقافتی و تہذیبی اور معاشرتی اثرات کا زہر ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ چکا ہے۔مغرب کی فکری یلغار نے ہمارے مشرقی معاشرتی اقدار کو اپاہج کر دیا ہے۔گیارہ سو سالہ مسلم حکومتوں نے برصغیر پاک و ہند پر اسلامی معاشرتی اثرات کے جو انمول نقوش مرتب کیے تھے۔دھیرے دھیرے وہ عظیم نقوش مٹتے چلے گئے۔اب تو ہر طرف لنڈے کے انگریزوں کی اجارہ داری قائم ہوتی نظر آرہی ہے۔ راقم برسوں سے ایک بات کہتا چلا آرہا ہے۔کہ ہماری جان انگریز ٹیچروں نے تو چھوڑ دی لیکن ان کے مسلط کردہ کلاس روم کے مانیٹر آج بھی ہمارے فکری اعصاب کو دبوچے ہوئے ہیں۔لہذا ہم جسمانی آزادی کے کچھ مرحلے طے تو کر پائے۔مگر فکری غلامی کا مہیب سایہ بھوت بن کر اب بھی ہم پر مسلط ہے۔یہاں اس تلخ سچائی کا بھی ذکر کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔جو قومیں اپنے تعلیمی نصاب اپنے اخلاقی فکری مدار سے نقل کر کے مرتب کرتی ہیں، انکی نسلوں کی تخریب و بگاڑ۔۔اصلاح و تعمیر کے مراحل عشروں میں طے کر پاتا ہے۔لہذا اہم پر لارڈ میکالے کا مسلط کردہ نصابِ تعلیم ہمارے اخلاقی اقدار کے کھوکھلے پن کا حقیقی ذمہ دار ہے۔جب تک ہم دین اسلام اور وقت کے تقاضوں کے ہم آہنگ اصول شریعت کے تحت اپنا نصاب تعلیم مدون نہیں کر پاتے۔ ہم اپنی نسلوں سے خیر کی توقعات کرنا چھوڑ دیں۔تعلیمی گراوٹ اور مستعار لیے ہوئے ہندو و انگریزی رسم و رواج نے ہمارے اسلامی اخلاقی اقدار کا جنازہ تک نکال دیا ہے۔آیئے مختصراً ایک معمولی سا جائزہ لیے چلیں کہ ہمارا معاشرہ کن کن اخلاقی گراوٹوں کا شکار ہو چکا ہے۔(۱) والدین کے سامنے اپنی اولاد میں سے ان بیٹوں کی حیثیت زیادہ مسلمہ ہے اور ایسے بیٹے زیادہ قابلِ قدر ہیں جو انکو چند روپے زیادہ لا کر دیں۔انکے اعمال کو والدین کبھی بھی نہیں تول رہے اور نہ ہی دیکھ رہے ہیں۔مثلاً ایک بیٹا بیس ہزار والدین کے ہاتھ پر رکھتا ہے، شراب و شباب کو بھی منہ مارتا ہے۔جبکہ دوسرا بیٹا دس ہزار والدین کے ہاتھ پر رکھتا ہے مگر نمازی اور پرہیزگار ہے۔والدین کے ہاں پہلا بیٹا لائق و فائق اور دوسرا نکھٹو اور صوفی ہے۔خلوص پر مبنی شفقت پدری ہمارے معاشرے سے گم ہو گئی۔(۲) لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم اور مغرب کی نقالی کی بدولت والدین اولاد کی محبت، ادب اور احترام سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔اولاد جوانی اور شادی بیاہ کے بعد والدین سے پوری طرح منہ موڑنے لگی ہے۔(۳) اولڈ ہاؤس کے بار گراں بھی پاکستان میں دسیوں کی تعداد میں بن گئے ہیں۔بدترین بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اولڈ ہاؤس آباد ہونے لگے ہیں۔کہاں گھر میں والدین کی موجودگی کی برکات اور خدمتِ والدین کی بدولت حاصل ہونے والی اللہ کی رحمت و فیوض و برکات کا گہرا سایہ اور کہاں

بقیہ: صفحہ نمبر (   ) پر

مولانا ولید ابرار

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام کی ان گنی چنی چند شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی خدمات عالم اسلام کے لئے ناقابل فراموش ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کے احسانات سے امت مسلمہ سبکدوش نہیں ہوسکتی آپؓ وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں، جنہیں مجلس نبوی ﷺ میں مسلسل حاضری کا شرف حاصل ہوا جس کا رنگ ساری زندگی آپ کی عملی زندگی میں نمایاں رہا آپ کو ان کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں شمار کیا جاتا ہے، جنہیں امت مسلمہ کاتبین وحی کے نام سے جانتی ہے۔ یعنی جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ ان میں آپؓ کی ذات گرامی بھی شامل تھی۔ کیونکہ آپ عرب کے ان تعلیم یافتہ اور ممتاز افراد میں سے ایک تھے جو اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں میدانِ کارزار کے سرگرم مجاہد بھی تھے۔ اور دین اسلام کے مشہور و معروف معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ اہل روم جو اسلام کے بدترین دشمن شمار ہوتے تھے سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کی مسلسل جہادی یلغاروں کے سبب ذلت ورسوائی کے زخم چاٹتے رہے۔ آپؓ کو یہ اعزاز ابھی حاصل ہے کہ مسلمانوں نے بحری جہاد کی ابتداء آپؓ کی امارت میں کی، اور سینہ سپر ہوکر لڑتے رہے۔ آپؓ کی جہادی قیادت کی بدولت دینِ اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اسلامی حکومت آدھی دنیا تک پھیل گئی۔ آپؓ کو تدبیر و سیاست کا امام بھی کہا جاتا ہے، کہ آپؓ حکومت کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے، جس کی گواہی آپؓ کے مبارک دورِ خلافت کے حالات وواقعات مطالعہ کرنے سے واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ الغرض آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی مختلف خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ اتنی ساری خوبیوں اور کمالات کے ساتھ ساتھ آپؓ وہ مظلوم ترین ہستی بھی ہیں جن کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ آپؓ کے محاسن و کمالات کو تاریخ کی گرد سے ڈھانپ کر اہل دنیا کی نظروں سے اوجھل کردیا جائے۔ تاریخ کے صفحات میں آپؓ کے متعلق ایسی من گھڑت اور بے بنیاد باتیں پھیلا دی گئیں جن کا عام شریف آدمی سے بھی سرزد ہونا مشکل ہے چہ جائیکہ ایسی عظیم المرتبت ہستی سے جسے دربار نبوت ﷺ کی مجالسِ کثیرہ سے مستفید ہونے کی سعادت کے ساتھ ساتھ کاتب وحی ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا ہو۔ تاریخ کے صفحات میں آپؓ کو جنگ صفین کا قائد ہونے کی حیثیت سے مشتہر کیا گیا تاکہ دنیا کے نظروں سے آپؓ اعلیٰ وارفع کردار اوجھل ہوجائے چنانچہ آج دنیا آپؓ کو دیگر محاسن و کمالات کے بجائے جنگ صفین کے قائد کے حیثیت سے زیادہ پہچانتی ہے، چنانچہ لوگ آپؓ کی اور سیدنا علیؓ کی جنگ صفین کو تو پوری شدّ و مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن قبرص، روڈس، صقلیہ، سوڈان، افغانستان جیسے اہم ممالک کی فتوحات اور جہادی لشکروں کے فاتح کی حیثیت بیان نہیں کرتے، آج لوگ آپ کو مسلمانوں میں انتشار کی اصل وجہ قرار دینے کا پرزور پروپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن سالہا سال سے مسلمانوں میں پھیلے سیاسی وملی انتشار کا خاتمہ کرکے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کے کردار کو

فراموش کردیتے ہیں۔ چنانچہ ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر آج سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس روح پرور کردار کا تذکرہ پڑھتے ہیں جس سے ان کی علم وعمل سے مزیّن حقیقی زندگی کے نقوش آپ کے سامنے واضح ہوجائیں گے۔

آپؓ عرب کے مشہور قبیلہ قریش کے نامور خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے جو نسبی ومنصبی حیثیت سے بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا چنانچہ اسی خاندان کے معزز سردار ابوسفیانؓ کے گھر میں آپؓ نے آنکھ کھولی، آپؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ اپنے قبیلے کے معزز سرداروں میں شمار ہوتے تھے اور فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے، آپؓ کے اسلام لانے پر آنحضرت ﷺ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوجائیگا اسے امن دے دیا جائیگا۔ الغرض سیدنا حضرت امیر معاویہؓ ہی سے اولوالعزم انسان تھے اسی بناء پر آپؓ کے والدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے آپ کی تربیت پر خاص توجہ دی آپؓ جلد ہی علوم وفنون کے ماہر ہوگئے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کا اسلام۔

تاریخ کی کتب میں مذکور ہے کہ آپؓ ظاہری طور پر فتح مکہ کے دن ایمان لائے مگر درحقیقت آپؓ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ بعض مجبوریوں کی بناء پر اپنے ایمان کا اعلان نہ کرسکے یہی وجہ ہے کہ آپؓ بدر، احد، خندق اور حدیبیہ کے موقع پر کافروں کی طرف سے شریک نہیں ہوئے حالانکہ اسوقت آپؓ جوان تھے اور آپ کی جرأت وبہادری بھی مشہور تھی اس کے علاوہ آپ کے والد (حضرت ابوسفیانؓ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) سالار کی حیثیت سے ان جنگوں میں شریک ہورہے تھے ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپؓ کے دل میں گھر کرچکی تھی جس کا باقاعدہ اظہار فتح مکہ کے موقع پر سامنے آیا۔ اعلانِ اسلام کے بعد آپؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں تسلسل کے ساتھ حاضر رہتے اور آپؓ اس مقدس جماعت کے ارکان میں شامل تھے جنہیں آپ ﷺ نے کتابت وحی کے لئے مامور فرمایا تھا چنانچہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپؓ بھی اسے قلمبند فرماتے اور دیگر جو خطوط وفرامین آپ ﷺ کی جانب سے جاری ہوتے انہیں بھی تحریر فرماتے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہے اور ان کے بعد دوسرا درجہ حضرت امیر معاویہؓ کا تھا۔ کتابت وحی کا کام اپنی جگہ پر کتنا نازک اور اہم تھا اس کا اندازہ ہر مسلمان کرسکتا ہے اور پھر اس کے لئے حضرت امیر معاویہؓ کا انتخاب اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آپؓ کی ذاتِ مبارکہ امانت، دیانت اور علم وفہم سے مزیّن تھی اور انہی خصوصیات کے باعث آپؓ کو آنحضرت ﷺ کی مبارک دعائیں نصیب ہوئیں چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا دی جس کے الفاظ حدیث کی مشہور کتاب جامع ترمذی میں یوں ہیں۔ ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًا وَاھْدِبِہٖ'' اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادیجیے اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کی دعا کا ذکر ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ'' اے اللہ معاویہؓ وحساب وکتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ آمین۔ (کنز العمال) ۔ مشہور صحابی حضرت عمرو ابن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو آپؓ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے فرمایا ''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَمَکِّنْ لَّہٗ فِی الْبِلَادِ وَقِہِ الْعَذَابَ'' ترجمہ: اے اللہ معاویہؓ کو کتاب سکھادے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانہ بنادے اور اسکو عذاب سے بچالے (مجمع الزوائد)

سیدنا امیر معاویہؓ آنحضرت ﷺ کی نظر میں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضراتِ شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کسی کام میں مشورہ کے لئے طلب کیا مگر دونوں حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کوئی مشورہ نہ دے سکے آپ ﷺ نے فرمایا معاویہؓ کو بلاؤ اور معاملے کو ان کے سامنے رکھو کیونکہ وہ قوی ہیں (مشورہ دیں گے) اور امین ہیں (غلط مشورہ نہیں دیں گے)۔ ''مجمع الزوائد'' ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے معاویہ تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا پیٹ اور سینہ آپ (ﷺ) کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے دعا دی اے اللہ اس کو علم سے بھردے

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصہ کے وقت ہنستا ہے (یعنی انتہائی بردبار ہے) اور جو کچھ اس کے پاس ہے بغیر اسکی رضامندی کے حاصل نہیں کیا جاسکتا اور اسکے سر پر رکھی چیز کو حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں پر جھکنا پڑیگا (یعنی انتہائی غیور اور شجاع ہے)۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے تم قیصر وکسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔ کہ جب سیدنا حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ جنگ صفین سے واپس لوٹے تو فرمایا:۔ اے لوگو تم معاویہؓ کی گورنری

اورامارت کوناپسندمت کرو کیونکہ اگرتم نے انہیں گم کردیا تو دیکھو گے کہ سراپنے شانوں سے اسطرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کرگرتا ہے، نیز ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرتبہ ایک فقہی مسئلے میں حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق شکایت کی گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یقیناً معاویہؓ فقیہہ ہیں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول البدایہ والنہایہ میں درج ہے کہ :۔ میں نے معاویہؓ سے بڑھ کر سلطنت اور بادشاہت کے لائق کسی کو نہ پایا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والانہیں پایا۔

سیدنا امیر معاویہؓ تابعین کی نظر میں۔

مشہور فقیہہ ومحدث عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ آپؒ یہ سن کر غصہ میں آگئے اور ڈانٹ کر فرمایا :۔تم ان دونوں کی آپس میں نسبت پوچھتے ہو؟ خدا کی قسم وہ مٹی جو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں چلی گئی وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے۔حضرت ابو اسحاق السبیعیؒ فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم حضرت امیر معاویہؓ کو دیکھتے یا ان کا زمانہ پالیتے تو (عدل وانصاف کی وجہ سے) تم ان کو مہدی کہتے (البدایہ والنہایہ)۔حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ اگر تم معاویہؓ کے دور کا پالیتے تو کہتے کہ مہدی تو یہ ہیں۔

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کے معمولات اور خوبیاں۔

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ نماز فجر ادا کرکے زیرِ سلطنت ممالک سے آئی ہوئی رپورٹیں سنتے پھر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے،تلاوت کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور خاص خاص لوگوں کو طلب فرما کر ان کے ساتھ دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشاورت کرتے، اس کے بعد ان کے لئے ناشتہ لایا جاتا جو رات کے بچے ہوئے کھانے میں سے ہوتا، اس کے بعد کچھ دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے اور تھوڑی دیر بعد باہر تشریف لاتے اور مسجد میں مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے اس وقت عام مسلمانوں جن میں کمزور، دیہاتی، بچے، عورتیں سب شامل ہوتے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے، ان کی تکالیف کو سنتے اور دور کرتے۔مسعودی کا بیان ہے کہ آپ نے دن میں پانچ اوقات ایسے رکھے ہوئے تھے جن میں عام لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ آئیں اور اپنی شکایت بیان کریں۔ آپؓ حد درجہ کے حلیم اور بردبار تھے، بعض اوقات آپؓ کے مخالفین آپ کے پاس آتے اور انتہائی سخت لہجے اور نازیبا رویہ کا اظہار کرتے مگر آپ یہ سب کچھ ہنسی میں ٹال دیتے اور یہی آپکا وہ رویہ تھا جس نے مخالفین کو بھی آپ کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ حضرت قبیصہ بن جابرؓ کا قول ہے کہ میں نے آپؓ سے بڑھ کر کسی کو بردبار نہیں پایا (النجوم الزاہرۃ)۔آپؓ خود ہی فرماتے ہیں کہ غصہ کے پی جانے میں جو مزہ مجھے ملتا ہے وہ کسی شے میں نہیں ملتا۔ (تاریخ طبری)۔حق تعالیٰ نے آپؓ کو حلم وبرد باری کے ساتھ ساتھ عفو، درگزر اور حسن خلق کی صفاتِ محمودہ سے بھی نواز رکھا تھا۔ چنانچہ آپؓ اپنے مخالفین سے کبھی بھی ذاتی انتقام لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔سیدنا امیر معاویہؓ کی ذاتی سادگی، فقر واستغناء کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ کو کسی مجمع میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں پر موجود لوگ احتراماً آپؓ کے لئے کھڑے ہو گئے مگر آپؓ نے اس کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لئے کھڑا ہوا کریں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔آپؓ کی سادگی کی یہ عالم تھا کہ یونس بن میسرہ بیان کرتے ہیں :۔ میں نے حضرت امیر معاویہؓ کو دیکھا کہ آپؓ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیض تھی اور آپؓ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔

سیدنا امیر معاویہؓ میدانِ جہاد میں۔

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد شام وغیرہ کے علاقے میں مصروف جہاد رہے اسی دوران آپ نے جنگ یمامہ میں بھی شرکت کی بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو آپؓ نے قتل کیا تھا مگر صحیح قول یہ ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیزہ مارا تھا اور آپؓ نے اس کے قتل میں مدد کی تھی۔ ۲۷ ہجری میں آپؓ بحری بیڑہ لے کر قبرص کی جانب بڑھے مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلی بحری جنگ تھی۔ ۲۸ ہجری میں قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ ۳۲ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔ ۳۳ ہجری میں افرانطیہ، ملطیہ اور روم کے کچھ قلعے فتح ہوئے۔ ۳۵ ہجری میں آپؓ کی قیادت میں غزوہ ذی حشب پیش آیا۔ ۴۲ ہجری میں غزوہ سجستان پیش آیا اور سندھ کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آگیا۔ ۴۳ ہجری میں ملک سوڈان فتح ہوا۔ اور سجستان کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ۴۴ ہجری میں کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قندابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔ ۴۵ ہجری میں افریقہ پر لشکر کشی کر کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۴۶ ہجری میں صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ۵۰/ ۵۱ ہجری میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا۔ یہ مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا۔ ۵۴ ہجری میں مسلمان نہر جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔ ۵۶ ہجری میں غزوہ سمرقند پیش آیا اس سے قبل ۲۵ ہجری میں آپؓ نے روم کی جانب جہاد کیا اور عموریہ تک جا پہنچے اور راستے میں فوجی مراکز قائم کئے۔قبرص بحیرۂ روم میں شام کے قریب نہایت خوبصورت اور زرخیز علاقہ ہے

حضرت عمر ابن الخطاب ؓ کے دورِ خلافت میں حضرت معاویہؓ اس جزیرہ پر حملے کی اجازت طلب کرتے رہے ،مگر سمندری و دیگر مشکلات کی وجہ سے آپ ؓ کو دربارِ خلافت سے اس کی اجازت نہیں مل سکی ۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو آپ ؓ کے اصرار پر آپ ؓ کو یہاں لشکر کشی کی اجازت دے دی گئی چنانچہ آپ ؓ نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑہ تیار کروایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ ۲۷ ہجری میں قبرص کی جانب روانہ ہوئے ۔مسلمانوں کی تاریخ میں بحری بیڑے اور بحری جنگ کا یہ پہلا موقع تھا ۔علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں حضرت امیر معاویہؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے بحری بیڑہ تیار کرایا ۔ پہلا بحری بیڑہ تیار کرانا حضرت امیر معاویہؓ کی تاریخی خصوصیت ہی نہیں بلکہ اس لحاظ سے عظیم سعادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلا بحری جہاد کرنے والوں کی حق میں جنت کی بشارت دی تھی ۔ امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں :۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔ میری امت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا اپنے اوپر جنت واجب کرلی ہے ۔ ۲۷ ہجری میں آپ ؓ اس کی طرف بحری بیڑہ لیکر روانہ ہوئے اور ۲۸ ہجری میں وہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھوں فتح ہوگیا اور آپ ؓ نے وہاں کے لوگوں پر جزیہ عائد کیا ۔ المختصر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی جہادی زندگی اور کارناموں کی تفصیلات کے لئے سینکڑوں صفحات چاہئیں جن کا یہ مضمون متحمل نہیں ہوسکتا اس کے لئے تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ بہرحال یہ سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کی جرأت واستقامت تھی کہ اسلام آدھی دنیا پر غالب آگیا تھا ۔ سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت مسلمانوں کا تابناک دور کہا جاتا ہے کہ جب اسلامی سرحدیں آدھی دنیا تک پھیل چکی تھیں ۔ مسلمانوں کے باہمی انتشار کے باعث مسلمانوں کی قوت کمزور ہوگئی تھی ،آپ ؓ کے دورِ خلافت میں مسلمان عظیم الشان قوت بن گئے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے فوجی مراکز قائم ہوگئے ۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے دورِ خلافت میں سترہ سو(۱۷۰۰) جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے ۔ آپ ؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں قائم محکمہ ڈاک کے نظام کو وسعت دیکر اس کو پھیلا دیا ۔ آپ ؓ نے خانہ کعبہ کی خدمت کے لئے خدام کا تقرر کیا اور دیبا وحریر کا بہترین غلاف کعبہ پر چڑھایا ۔ آپ ؓ کا دورِ خلافت اکتالیس(۴۱) سال پر محیط ہے ۔ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ آپ ؓ کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ کہ آپ ؓ کے دور حکومت میں جہاد کا سلسلہ قائم رہا ، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور سلطنت کے اطراف سے مالِ غنیمت بیت المال میں آکر جمع ہوتا رہا اور مسلمانوں نے راحت وآرام اور عدل وانصاف سے زندگی بسر کی ۔ آپ ؓ کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے کامیاب دور شمار کیا جاتا ہے ۔ آپ ؓ کے دور میں مسلمان خوشحالی وامن کی زندگی گزارتے رہے ۔ آپ ؓ نے رعایا کی بہتری کے لئے متعدد اقدامات کئے ، نہریں کھدوائیں ، پرانی بند نہروں کو ازسرِ نو جاری کروایا ، مساجد تعمیر کروائیں اور عامۃ المسلمین کی بھلائی کے لئے متعدد ایسے اقدامات کئے جن سے عوام باسہولت زندگی گزارنے لگے اور آپ ؓ کے انہی اقدامات کے بدولت عوام بھی آپ ؓ سے محبت کرتے تھے اور ہمہ وقت آپ کے حکم پر جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے ۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔ حضرت امیر معاویہؓ کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ بہترین حکمران کا برتاؤ تھا اور آپکی رعایا آپ ؓ سے محبت کرتی تھی اور بخاری ومسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارے امراء میں سب سے بہت امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے اور تم ان پر رحمت بھیجتے ہو اور وہ تم پر ۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات ۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی پوری زندگی علم وعمل کا مرقع تھی ، آپ ؓ فقر واستغناء کی عملی تصویر تھے اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ فکر آخرت میں روتے رہتے تھے ۶۰ھ میں جبکہ آپ ؓ عمر کی اٹھترویں(۷۸) منزل سے گزر رہے تھے آپ ؓ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی اور پھر طبیعت مسلسل خراب ہوتی چلی گئی پھر یہی ناسازئ طبیعت مرض وفات میں تبدیل ہوگئی اسی مرض وفات میں آپ ؓ نے خطبہ دیا جو آپ ؓ کا آخری خطبہ تھا آپ ؓ نے فرمایا:۔ اے لوگو بعض کھیتیاں ایسی ہیں جن کے کٹنے کا وقت قریب آچکا ہے ، میں تمہارا امیر تھا میرے بعد مجھ سے بہتر کوئی امیر نہیں آئیگا جو آئیگا مجھ سے گیا گزرا ہی ہوگا جیسا کہ مجھ سے پہلے جو امیر ہوئے وہ مجھ سے بہتر تھے ۔ اس خطبے کے بعد آپ ؓ نے تجہیز وتکفین کے متعلق وصیت فرمائی کہ کوئی عاقل اور سمجھدار آدمی مجھے غسل دے اور اچھی طرح غسل دے پھر اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور کہا اے بیٹے میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا آپ ﷺ اپنی حاجت کے لئے نکلے میں وضو کا پانی لیکر گیا اور وضو کرایا آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک پر پڑے ہوئے دو کپڑون میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا وہ میں نے حفاظت سے رکھ لیا تھا اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے بال اور ناخن مبارک کاٹے تو میں نے انہیں جمع کرکے رکھ لیا تھا ۔ تم کپڑے کو تو میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا اور ناخن اور بال مبارک میری آنکھ ، منہ اور سجدے کی جگہوں پر رکھ دینا اور پھر ارحم الراحمین کے حوالے کردینا آپ ؓ کی اس وصیت کے بعد مرض بڑھتا گیا حتیٰ کہ دمشق کے مقام پر وسط رجب ۶۰ھ میں علم وتدبر ، علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا ۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی نماز جنازہ ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ نے پڑھائی اور دمشق میں ہی باب الصغیر میں آپ ؓ کی تدفین ہوئی وفات کے وقت آپکی عمر ۷۸ سال تھی ۔۔۔

رضی اللہ عنہ ورضا عنہ

اسلام سے پہلے اقوامِ عالم کی حالت

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اس وقت روئے زمین پر دو قسم کے لوگ تھے۔ایک اہلِ کتاب کا طبقہ تھا دوسرا زنادقہ کا، جن کے پاس کوئی کوئی کتاب نہیں تھی۔اہل کتاب سب سے افضل مانے جاتے تھے۔ان کی دو قسمیں تھی۔ایک وہ گروہ تھا جن کو مغضوب علیھم کا خطاب ملا اور دوسرا وہ گروہ تھا جن کو ضالین کا تمغہ ملا۔امتِ مغضوبہ وہ دروغ گو یہودی تھے جو انتہائی بہتان طراز، افترا پرور، حیلہ ساز، انبیاء کرام کے قاتل، سود خور، بدترین خصلتوں کے حامل، رحمتِ خداوندی سے کوسوں دور اور انتقام کے سب سے زیادہ مستحق، نیز بغض وحسد، حرص وبخل، جادوگری وفریب دہی اور دنیا کی تمام برائیوں کا پلندہ اور اخلاقی گراوٹ کا پیکر ہیں۔جنہوں نے کفر وشرک کے مخالفین کی ہمیشہ بے حرمتی کی ہے۔مومنین کے لیے نہ تو کسی قسم کی قرابت داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں اور نہ اپنے موافقین کے لیے ان کے دل میں شفقت ورحمت ہے نہ اپنے شریک کار کے ساتھ ان کے یہاں عدل وانصاف ہے نہ ہی ان کے ملنساروں کے لیے حفظ وامان ہے، اور نہ اپنے مالکوں کے لیے ان کے پاس خیر خواہی ہے، بلکہ وہ سب سے زیادہ خبیث، عقلمند و چالاک اور دھوکے باز ہیں۔بہت مشکل ہے کہ ان میں کوئی عقلِ سلیم پائی جائے۔مخلوقات میں سب زیادہ تنگ دل اور تاریک گھر رکھنے والے لوگ ہیں۔ان کے برتن سب سے زیادہ بدبودار اور ان کی عادات واطوار سب سے برے ہیں۔ان کا سلام لعنت، ان کی ملاقات بدفالی اور ان کا لباس غصہ و ناراضگی ہے۔دوسری قسم گمراہ صلیب پرست مثلثہ کی ہے۔جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی سخت وسست باتیں کہی ہیں۔جو نوعِ بشر نے نہیں کہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی واحدنیت، یکتائیت، اور صمدیت کا انکار کر دیا۔اور اس بات کا اقرار کرنے سے کرنے سے باز رہے کہ اس نے کوئی اولاد نہیں پیدا کی اور نہ وہ پیدا کیا گیا نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم مثل ہے نہ ہی اس کو تمام مخلوقات سے برتر قرار دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بے بنیاد باتیں کہیں کہ،

”تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه و تنشق الارض وتخر الجبال هدا“ ”قریب ہے کہ آسمان وزمین پھٹ جائیں اور پہاڑ ڈھے جائیں“ (مریم؛ ۹۰)

ان کے عقیدے کی بنیاد تثلیث پر ہے۔(یعنی اللہ تعالیٰ روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام) حضرت مریمؑ اس کی بیوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت والی کرسی سے اتر کر اپنی بیوی سے جا ملا جہاں اس نے اپنی خواہش پوری کی پھر وہ مختلف حالات سے گزر کر مقتول ومدفون ہوا۔ان کا دین صلیب پرستی اور دیواروں پر بنے ہوئے سرخ وزرد رنگ کی تصاویر پرستی ہے۔وہ اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں۔اے معبود کی ماں تو ہم کو روزی دے ہمیں رحمت وبخشش سے ڈھانپ لے۔اسی طرح ان کا دین شراب نوشی، سود خوری، ترکِ ختنہ، نجاسات میں عبادت کرنا، ہاتھی سے لے کر مچھر تک ہر خبیث چیز کو مباح سمجھنا، پادریوں کی حلال وحرام کردہ چیزوں کو حلال وحرام سمجھنا اور ان کے وضع کردہ دین کو اختیار کرنا ہے

وغیرہ جو ان کے لیے گناہوں سے معافی اور جہنم سے آزادی کا سبب بنے گا۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت کا بیان تھا۔ جو اہلِ کتاب تھے۔ لیکن وہ گروہ جس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی، وہ بت پرستوں، آتش پرستوں، شیطان پرستوں اور ان ستارہ پرست بددینوں کی جماعت تھی۔ جن کو شرک نے ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا تھا۔ رسولوں کی تکذیب، شریعت کی تعطیل اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کی تردید کرنے میں سب مساوی تھے۔ وہ کسی بھی دین کے ذریعے خالق کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی عبادات گزاروں کے ساتھ عبادت کرنے اور اس کی توحید کا اقرار کرتے تھے۔ مجوسیوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ ہمبستری کرتا اور صرف بانسری بجانا ان کا دین تھا۔ ان کا کھانا پینا مردار اور شراب تھا۔ آگ ان کا معبود تھی اور شیطان ان کا ولی تھا۔ مختصر یہ کہ ان کا مسلک ومذہب اور ایمان واعتقاد مخلوقات میں سب سے برا تھا۔ دوسری جانب وہ بددین صائبہ، زنادقہ اور ملحد فلاسفہ تھے۔ جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ اس کے فرشتوں اور کتابوں پر نہ رسولوں پر ان کا اعتقاد تھا نہ قیامت کے دن پر، ان کے نزدیک مبداومعاد کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ عالم کا کوئی ایسا قادرِ مطلق نہ تھا جو اپنے اختیار سے اپنے ارادوں کو کر گزرنے والا ہو۔ جو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہو، اومرونواہی کا حکم دینے والا ہو، رسولوں کا مرسل اور کتابوں کا نازل کرنے والا ہو، محسن کو اس کی نیکی کا بدلہ دینے والا ہو، اور عاصی کو اس کے جرم کی سزا دینے والا ہو۔ ان کے اصحابِ رائے کے نزدیک صرف نو افلاک، دس عقول اور چار ارکان ہیں۔ اور ایک سلسلہ ہے جس سے تمام موجوداتِ عالم جڑے ہوئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دین حنیف جو تنہا اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ وہ تمام ادیانِ باطلہ کی تاریکی میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ ایسی حالت میں جب اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی جانب نگاہ کی تو چند اہلِ کتاب کے علاوہ عرب وعجم نے اس کو غصے میں ڈال دیا، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس گھٹا ٹوپ تاریکی کے اندر رسالت کا چمکتا ہوا سورج نمودار کیا۔ اور تمام دنیا کے لوگوں پر اتنا عظیم احسان کیا جس کے شکریہ کا وہ حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس رسالت کے نور سے پوری روئے زمین جگمگا اٹھی، ہر چار جانب اور عالم میں اس کی روشنی پھیل گئی۔ اور دینِ حنیف پھر قائم ہو گیا۔ اس خدا لم یزل کا ہزار ہا شکر ہے جس نے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے ذریعے اس تاریکی سے بچایا۔ اور ہدایت کے ایسے دروازے کھولے جو قیامت تک بند ہونے والے نہیں۔ ہمیں اس روشنی میں گمراہ اور مضلین کی شناخت کرادی جو گمراہی وجہالت میں بھٹک رہے ہیں۔ شک وتردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں تو جبت وطاغوت پر، شرک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، علم رکھتے ہیں تو صرف دنیاوی زندگی کے بارے میں، سجدے کرتے ہیں تو صلیب و بتوں پر، سورج اور چاند کا مکر کرتے ہیں تو اپنے ہی نفسوں کے خلاف، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ،وان کانو من قبل لفی ضلل مبین۔(ال عمران؛۱۶۴)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوپر بڑا احسان کیا جبکہ ان میں انہی کے درمیان سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ اوران کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ؛

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون۔

''جیسے کے ہم نے تمہارے درمیان تمھیں میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا جو تمہارے اوپر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تم کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور وہ چیزیں بتاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ لہذا مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکریہ ادا کرو اور نافرمانی نہ کرو؛(البقرہ؛۱۵۱؛۱۵۲)

تمام تعریفیں اُس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم کو ایک ایسی شریعت دے کر غنی بنایا۔ جو حکمت و اچھی باتوں کی دعوت دیتی ہے۔ عدل واحسان کا حکم نیز فحش ومنکرات سے روکتی ہے۔ محسن کے احسان مندی کا اعتراف، اس کے فضل و احسان کا اظہار، اس کے انعامات کثیرہ پر حجت کا کامل ہونے کا اقرار ہی دراصل اس کی ذات تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ اپنے اعترافات تقصیر کو ہم خدا کی نعمت سمجھتے ہیں۔ بعض اعتراف گناہ تمام نیکیوں اور طاعات پر بھاری ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے اندر کسی قسم کا شائبہ نہ ہو بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کے دامن سے لپٹ جائے۔ اور اس سے خیر کی توقع رکھے۔ غلطیوں سے خدا کی پناہ مانگتا رہے اور نہایت ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ خوشی اور غمی تمام حالتوں میں اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر اپنی تنگ دستی اور عاجزی کا اظہار اور سوال کرتا رہے۔ پھر جس کو خدا کی رحمت کے جھونکے پہنچ گئے اور اس کی نظرِ کرم مل گئی تو اس کو پژمردہ لوگوں میں تازگی مل گئی اور اس کا گھر نیکیوں سے آباد ہو گیا۔ غم وحسرت کے ہجوم نے اس کو الودع کیا

اذا انظرت الی نظرۃ راحم

فی الدھر یوما اننی لسعید

''اور جب تو میری جانب زمانے میں کسی دن بھی رحم کی نگاہ سے دیکھ لے تو میں خوش قسمت ہوں گا''

ماخوذ از'' یہود ونصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں:

مسئلہ یمن اصل حقائق کیا ہیں...؟

خالد بن ولید

یمن کی صورتحال جیسے جیسے واضح ہوتی جارہی ہے ویسے ویسے اصل حقائق دنیا کے سامنے آشکار ہوتے جارہے ہیں حالات وواقعات کا صحیح فہم رکھنے والے جن باتوں کی طرف اشارے دیتے آرہے تھے وہ واضح ہوتے جارہے ہیں یمنی باغیوں کی جانب سے سعودی عرب کی طرف پیش قدمی کوئی علاقائی مسئلہ پر نہیں بلکہ ایک واضح مقصد کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی تھی ۔ جیسے جیسے یمن سعودی جنگ کے شعلے بلند ہوتے جارہے ہیں اسی طرح حوثی باغیوں کے ناپاک عزائم سامنے آتے جارہے ہیں اہل علم وعقل پہلے دن سے ہی کہہ رہے تھے کہ باغیوں کی طرف سے برپا کردہ جنگ کا رخ حرمین کی طرف ہے اور حرمین شریفین پر قبضہ باغیوں کے ایجنڈے پر سر فہرست ہے ۔ موجودہ صورتحال نے باغیوں کے اس ایجنڈے اور ناپاک سازش کو طشت از بام کردیا ہے۔ ملکی پارلیمنٹ میں جو لوگ سعودی عرب اور یمن کی جنگ کو محض علاقائی جنگ قرار دے رہے تھے اور سعودی عرب کی حمایت سے مسلسل الگ رہنے کا مشورہ دے رہے تھے ان کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔ دوسری طرف سعودی عرب جیسے جیسے باغیوں کے ٹھکانوں کو تباہ کررہا ہے اور ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملارہا ہے ویسے ویسے باغیوں کی پشت پناہی کرنے والے ایران کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں اور ایران مسلسل پروپیگنڈہ کررہا ہے ۔ کہ بے گناہوں کا خون بہایا جارہا ہے معصوم لوگوں کا قتلِ عام کیا جارہا ہے۔ ایران کے ان بیانات اور یمن میں موجود باغیوں کے واضح اعلانات وبیانات کی روشنی میں اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ جنگ کے اصل مقاصد کیا ہیں؟ صدام حسین کے دورِ حکومت میں جب امریکہ کو باقاعدہ دعوت دے کر بھرپور تعاون کا یقین دلا کر بلایا گیا تاکہ صدام حسین کی حکومت کا خاتمہ کیا جائے اور اپنی مرضی اور نظریات کی حکومت عوام پر مسلط کی جائے ، پھر پوری دنیا نے دیکھا کہ امریکہ کس کے کہنے پر آیا اور پورا عراق آگ وخون کی بارش میں نہا گیا لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ عراقی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ اس قتلِ عام میں ایران کی مداخلت ایران کی امریکی حمایت کے واضح ثبوت میڈیا نے جب ساری دنیا کو دکھائے تو اصل وجوہات سامنے آئیں کہ عراق میں جنگ شروع کرنے کا اصل مقصد کیا تھا؟ الغرض یمن کی موجودہ صورتحال کا بغور جائزہ لینے سے ساری بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ عراق پر جس انداز اور جس مقصد کے لئے قبضہ کیا گیا اور ایک کامیاب حکومت کا خاتمہ کیا گیا بالکل اسی طرح یمن کے اندر باغیوں کی حوصلہ افزائی کرکے ان کو بظاہر سامنے رکھ کر درحقیقت اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرنا ہے ۔جن لوگوں کو پاکستان کا سعودی عرب کی حمایت کرنے میں کوئی جواز نظر نہیں آتا اور وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے تو ایران کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسرے ملک کے خلاف ان لوگوں کی حمایت کرے جو اپنے محدود اور ذاتی ایجنڈے کو دوسروں کے اوپر مسلط کرنا چاہتے ہوں ۔ ان لوگوں کو آنکھیں کھول کر حالات

کاادراک کرنا چاہیے کہ یہ جنگ محض علاقائی پرستی کی نہیں بلکہ ایک باقاعدہ مقصد کو سامنے رکھ کرلڑی جارہی ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ سعودی عرب کے مقاماتِ مقدسہ پر کوئی آنچ نہیں آسکتی اور باغی لاکھ کوششیں اور سازشیں کر کے بھی ان پر قبضہ نہیں کر سکتے ۔لیکن بحیثیت مسلمان ہماری بھی کچھ ذمہ داریاں بنتی ہیں جن سے بہرحال ہم غفلت کے مرتکب نہیں ہوسکتے اور بحیثیت مسلمان ہمیں ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے اپنی تمام تر کوششیں کرنی چاہئیں ۔ اور حرمین شریفین کی حفاظت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دی گئی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے ۔ باطل قوتیں ہر دور میں یہ کوششیں کرتی رہی ہیں کہ ان مقاماتِ مقدسہ کی موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں کومرکزیت حاصل ہے اورمسلمان جس حال میں بھی ہو اس مرکز کے ساتھ جڑے رہنے کی کوشش اور خواہش میں رہتا ہے ۔ نبی کریم ﷺ کے دادا عبد المطلب خانہ کعبہ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اوراسے اپنے لئے فخر واعزاز سمجھتے تھے کہ اس حرمت والے گھر کی خدمت ان کے حصہ میں آئی ہے ۔ غالباً ۵۲۵ عیسوی میں ابرہہ نے یمن پر حملہ کیا اس وقت یمن پر آل حمیر کی حکمرانی تھی ابرہہ نے بھرپور طاقت کا استعمال کر کے حمیری حکومت کا خاتمہ کردیا اور یمن پر قابض ہوگیا تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کر کے پورے یمن پر اپنی دھاک بٹھا دی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابرہہ عربوں کا سخت دشمن تھا اور عربوں سے سخت نفرت کرتا تھا اسی نفرت کی وجہ سے العیاذ باللہ خانہ کعبہ کے متعلق بھی اس کا دل بغض وحسد میں جلتا رہتا تھا ابرہہ رات دن اسی کوشش میں رہتا کہ کسی طرح اس مقدس گھر کو ختم کر دیا جائے ۔ اس نے پہلے یمن کے علاقے صنعاء میں ایک گرجا گھر بنایا (جو ظاہری خوبصورتی اور شان وشوکت میں اپنی مثال آپ تھا) تا کہ لوگ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر اس گرجے کا رخ کریں اور پوری دنیا کے لوگ اسی کے گرد جمع ہوں ۔ لیکن کہاں ایمان ویقین، حق وصداقت، اخلاص وللّٰہیت سے تعمیر کردہ خانہ خدا اور کہاں ریاکاری، نمود ونمائش کا مرقع صنعاء کا گرجا گھر ۔ الغرض اسکا یہ سارا منصوبہ ناکام ہوگیا چنانچہ حسد وبغض کی وہ آگ جو برسوں سے اس کے دل میں جل رہی تھی شعلے کا روپ دھار گئی ۔ اور اپنے مسلح ساتھیوں اور چنگھاڑتے ہوئے ہاتھیوں کے ہمراہ العیاذ باللہ خانہ کعبہ کوشہید کرنے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا پھر اس کی اس حرکت کے بعد ابرہہ اور اس کے لشکر کا کیا انجام ہوا قرآن مجید فرقان حمید نے اس واقعے کو بڑی تفصیل اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے ۔لہٰذا رشد وہدایت کا یہ عظیم مرکز آج بھی اہلِ ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے اور ابرہہ، اس کے وارث ذلت ورسوائی کے گڑھوں میں دفن ہوکر تاریخ کے گرد میں گم ہوگئے ہیں ۔لہٰذا ایران ہو یا حوثی باغی یا ان کے ناپاک عزائم کا کوئی اور پشت پناہ حرمین شریفین کی طرف بڑھنے والا ہر فتنہ سامانِ ابرہہ جیسے انجام بد سے ہی دوچار ہوگا اور اگر باغی اور ان کے پشت پناہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ مسلمان دنیاوی حالات وواقعات اور عالمی قوانین کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر اصل سازشوں سے بے خبر ہیں تو یہ ان کی بھول ہے حرم کے اصل محافظ اپنے ناپاک دشمنوں کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھے حرم کے تقدس پر جان لٹانے کے لئے تیار ہیں ۔

بقیہ۔ایمان باللہ اور ہم؟؟؟ آئینہ دکھایا تو برا مان گئے!!!

ہماری ہی بہنیں، کفار و مرتدین کے قید میں پڑے سسک رہے ہیں ۔ بلک رہے ہیں ۔ ان کی عزتوں کو تار تار کیا جارہا ہے ۔لیکن ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے ۔ ہماری معمولات پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا !اور تو اور ہم نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو بھی بھلادیا ۔ جو اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا قومی مسئلہ بھی ہے ! ۔ یہ کیسا دینی رشتہ ہے؟ یہ ۔۔۔ بہنوں بھائیوں کا کیسا باہمی تعلق ہے؟ ؟؟؟؟ اور تو اور آج زمانے بھر کے کافر میرے اور آپ کے پیارے نبی کریم ﷺ کے کارٹون تک بنانے کی جسارت کر رہے ہیں ۔ مگر چونکہ میرے نبی ﷺ کی عزت وحرمت وناموس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اسی لئے تو ہر دور میں کوئی نہ کوئی دیوانے، مستانے، نبی ﷺ کے عاشق اپنی جان لٹا کر اپنا فرض نبھاتے ہوئے اب تک ان کافروں کو جہنم واصل کرتے رہے ہیں ۔اور جب تک ایسا ہوتا رہیگا دیوانے اپنی جانیں لٹاتے رہیں گے ۔۔۔ (لاریب)(کوئی شک نہیں) مگر دوستو سوال یہ ہے؟؟ کہ میرا اور آپ کا اس بارے میں کیا کردار ہے؟؟ میں اور آپ کیوں پیچھے رہ گئے ؟ میں نے اور آپ نے کیا کرلیا؟ زیادہ سے زیادہ احتجاجی مظاہرہ، جلسے، جلوس، مذمتی قرارداد، جلاؤ گھیراؤ، یا اس سے بڑھ کر بھی کچھ کیا ۔۔۔؟ یا کرنے کا سوچا ۔۔۔؟ یا کسی سے رابطہ کیا،، مشورہ کیا ۔۔۔؟؟ میں اپنا جائزہ لیتا ہوں آپ اپنا جائزہ لیجئے ۔۔ اور اگر ہم کہتے ہیں ۔ کہ نہیں ہم میں اخوت بھی ہے ۔ دینی رشتہ بھی ہے ۔ ہم ایک جسم کی مانند بھی ہیں ۔ پھر یہ ہماری پرسکون نیند کیسی؟ دلوں کو قرار کیسا؟ زندگی کا موج میلا کیسا؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری نہ کرنا کیونکر ہے؟؟؟ اور ۔۔ اور ۔۔ اگر یہ سب بھی ہے!! تو دوستو ۔۔ دل کی گہرائیوں میں اتر کر، تنہائی میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص ہوکر سوچنے کا مقام ہے ۔ کہ پھر ۔۔ ہمارا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات پر خالص ایمان کا دعویٰ ادھورا تو نہیں؟؟ پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے محبت کی دعویداری کھوکھلی تو نہیں ؟؟؟؟ دوستو ۔۔ ہم میں کہیں نہ کہیں کوئی کمی ہے ۔ کوئی گڑبڑ ہے ضرور ۔۔ وہ کیا ہے؟؟ ذرا سوچئے ۔۔ اور ضرور سوچئے ۔۔۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جسے آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

"اللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

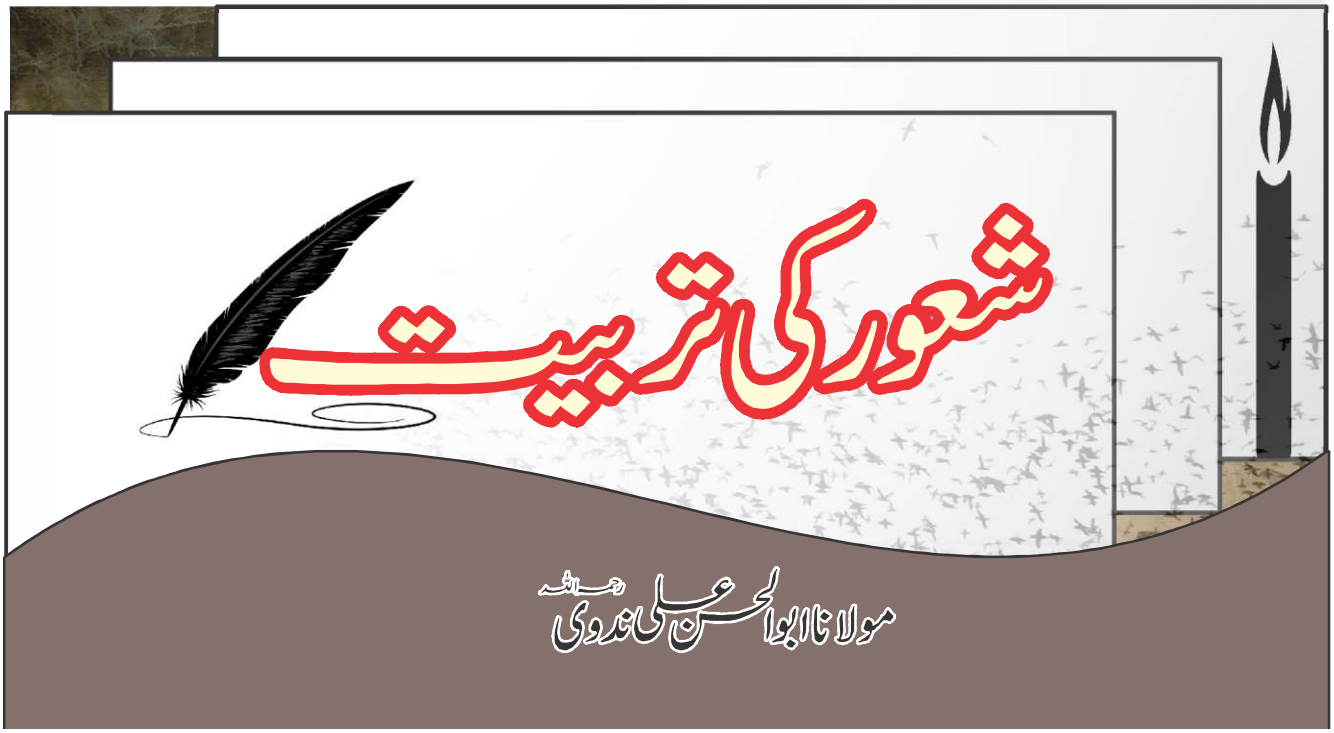

شعور کی تربیت

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

کسی قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو، ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیت رکھتی ہو اور دینی اور دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو، وہ دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو، پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو، اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرات نہ ہو، وہ خودغرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکہ کھانے کے لیے تیار رہتی ہو، وہ قوم اپنی تمام تر دینی ترقیات اور دینوی سرفرازیوں کے ساتھ قابلِ اعتماد نہیں، وہ پیشہ ور اور خودغرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے۔ ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بناء پر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔ مسلم ممالک کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ بیداری اور شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا شعور بہت کمزور ہے اور بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بدخواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے، بلکہ بعض اوقات بدخواہ اور غیر مخلص اشخاص مسلمانوں میں ہر دل عزیز اور معتمد بن جاتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''مومن سانپ کے ایک سوخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا'' لیکن مسلمان ممالک کے باشندے ہزار بار ڈسے جانے کے لیے تیار رہتے ہیں، ان کا حافظہ کافی کمزور ہے، وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں۔ ان کا دینی اور شہری شعور کمزور اور سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوموں اور خودغرض رہنماؤں کا بازیچۂ اطفال بنے ہوئے ہیں۔ اور آسانی کے ساتھ ان کا رخ ہر طرف موڑا جا سکتا ہے۔ حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتی رہتی ہیں اور جس طرف چاہتی ہیں ایک لاٹھی سے ہانک کر لے جاتی ہیں۔ مغربی قومیں اپنے روحانی اور اخلاقی افلاس اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی تشریح ہم نے اس کتاب میں کی ہے، شہری اور سیاسی شعور کی مالک ہیں، وہ سیاسی بلوغ کو پہنچ چکی ہیں، وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں، وہ مخلص اور منافق، اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں، وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل، ضعیف اور خائن ہیں، وہ جب اپنے معاملات کسی کے سپرد کرتی ہیں تو ڈرتے ہوئے اور احتیاط کے ساتھ اور جس مرحلہ پر بھی ان کی نااہلی یا خیانت کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ یہ دیکھتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے اور ان کا کام ختم ہو گیا تو ان کو وہ اپنے منصب سے سبکدوش کر دیتی ہیں۔ اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتی ہیں جو ان سے زیادہ اہلیت کے مالک اور موقع کے مناسب ہوتے ہیں۔ اس موقع پر کسی رہنما یا معتمد کی سابقہ خدمات، شاندار ماضی اور کسی معرکہ میں نمایاں کامیابی اس قومی فیصلہ میں حائل نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہ وروں اور نااہل اور خائن رہنماؤں سے محفوظ ہیں، ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، قوم کی سرزنش عوام کے عتاب و احتساب اور رائے عامہ کی قہرناکی سے وہ لرزہ براندام رہتے ہیں۔ عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۔ اور جمہور کی عقلی اور سیاسی تربیت کی جائے، یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ افراد کی کثرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں

شعور بھی موجود ہے اگر چہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن شعور پیدا کرنے کے لیے بہر حال مستقل جدو جہد کی ضرورت ہے۔ مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جس قوم میں غور کی کمی ہے، وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں، خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہو اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے، اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے اس لیے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور بالغ نظر اور پختہ خیال نہیں ہوئی ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلہ کار بن جائے گی اور آن کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔ جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی میدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے اُدھر اڑاتی پھرتی ہوں۔ اسلام اگر چہ ایک آسمانی مذہب ہے، اور اس کی بنیاد وحی و نبوت پر ہے لیکن اس نے بھی اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا، جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ مکمل زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ گہرا ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں ایک خاص قسم کا طریقِ فکر پیدا کیا جو جاہلی طریقِ فکر سے بالکل مختلف ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک بیدار اور خود دار شعور عطا کیا۔ جو اپنی وسعت اور قدرتی لچک کے باوجود ان افکار اور نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا، جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اور نہ اُن عناصر و اجزاء کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہیں۔ اس اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم ﷺ کی تربیت اور صحبت سے صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ظلم ایک قبیح شے اور دینی اور اخلاقی جرم ہے، جو کسی کے لیے جائز نہیں، وہ اس بات پر ایمان لا چکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے، خواہ وہ قریب ہو یا بعید، دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانا، انہوں نے جاہلانہ حمیت اور قومی قبائلی اور خاندانی تعصّبات سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی کوئی جگہ نہیں مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو، یہ ان کا عقیدہ بن گیا اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ ایک دن اچانک

عالمِ اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۔ ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و زیادتی کو برداشت کر سکے نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکیں، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے نہ بچ سکیں اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں، وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے وہ سنتے ہیں کہ: ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم'' اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے ذہن میں کچھ بھی انتشار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کو اس کے جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشو و نما ہوا تھا، اور ساری عمر اسی پر عمل کرنے میں گزری تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ (دین کی) کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے، ان سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کا ادب کرنے والا اور آپ ﷺ کی تمام باتوں کو بے چوں و چرا تسلیم کرنے والا نہیں تھا لیکن بایں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ﷺ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ تھا، اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان کے دماغ کی چالیں ہل گئیں، وہ اپنی اس تکلیف کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی مدد تو کریں لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے، اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے۔ یہ سنتے ہی گرہ کھل گئی، اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی حقیقت ہوتی ہے، یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوتِ حس کی واضح مثال ہے۔ ایک دوسری مثل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوج بھیجی اور ایک صحابی کو اس کا امیر بنایا اور ان کو امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی۔ وہاں یہ واقع پیش آیا کہ امیر اس سفر میں کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے آگ جلوائی، اور اپنے ساتھیوں کو اس میں داخل ہونے کا حکم فرمایا، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے تو نبی کریم ﷺ کی اتباع آگ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کی تھی، اب اس میں داخل ہو جائیں؟ نبی کریم ﷺ نے ان کے اس عمل کی تصویب فرمائی اور فرمایا اگر وہ اس میں کود پڑتے تو کبھی نہ نکلتے، صحابہ کرام کا یہ انکار اسی بناء پر تھا کہ وہ اس اصول پر ایمان لا چکے تھے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی فرمانبرداری صحیح نہیں۔ اور یہ کہ اطاعت اسی وقت فرض ہے جب نیک بات کا حکم دیا جائے۔ اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کسی غلط کام اور کسی ناانصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ اس کا صدور خلیفہ وقت سے کیوں نہ ہو وہ اگر خلیفہ کی کوئی زیادتی

دیکھتے تو برسر ممبر اس کو ٹوک دینے میں ان کو کوئی تامل نہ ہوتا، حضرت عمرؓ خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے جسم پر پورا جوڑا ہے، جو دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے، فرماتے ہیں لوگو! سنتے نہیں، مسلمان کہتے ہیں ہم نہیں سنتے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیوں؟ وہ کہتے ہیں تم نے ہم کو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور آپ پورے جوڑے میں ملبوس ہیں، وہ فرماتے ہیں عجلت مت کرو، پھر اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو آواز دیتے ہیں، پہلی آواز پر کوئی جواب نہیں ملتا، پھر فرماتے ہیں کہ اے عمر کے بیٹے عبداللہ! عبداللہ بن عمر جواب دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں میں نے جس کپڑے کی تہبند باندھ رکھی ہے، یہ تمہارا ہی کپڑا ہے، وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں، اس پر مسلمان کہتے ہیں۔۔۔ ہاں امیر المومنین اب فرمائیے ہم سب سنیں گے۔ اس اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ بنی اُمیہ کو اپنی شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحمتیں پیش آئیں، اسلامی روح نے بار ہا اس اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بار ہا اس عرب شاہی کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، اموی فرمانرواؤں کو اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوا جب تک وہ نسل ختم نہیں ہوگئی۔ جو اسلامی اور اسلام کے نظامِ حکومت اور طریق حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مرادف سمجھتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ واقع یہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح اور کوئی معاشرتی یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی تیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا، اگرچہ انقلاب فرانس کا تذکرہ اسلامی دعوت و انقلاب کے تذکرہ کے سلسلہ میں سوء ادب سے خالی نہیں اور یہ ایک ناقص اور محدود قسم کا انقلاب تھا، جو جذباتی جوش اور بے اعتدالیوں سے پاک نہیں تھا، تاہم اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب معاشرہ یا ملک میں شعور بیدار ہو جاتا ہے۔ اور ذہنوں کا رخ کسی ایک طرف ہو جاتا ہے۔ تو اس سیلاب کا تھامنا بڑی سے بڑی چٹان کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے انقلاب فرانس کے رہنماؤں نے جن میں سے بہت سے لوگ بڑی اچھی ذہنی، علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے، جن کے جلو میں ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہلِ قلم کا ایک لشکر تھا، انہوں نے ایک خاص مقصد کے لیے فرانسیسی عوام کے شعور کی تربیت کی عوام کے دل میں ملک کے فرسودہ نظام کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کیا پرانی اخلاقی قدروں اور تصورات و روایات کے خلاف ایک عام بے اطمینانی اور بیزاری پیدا کر دی، ماحول اور خارجی دنیا سے پہلے دلوں کے اندر انہوں نے غم وغصہ اور نفرت وحقارت کی ایک آگ روشن کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام لوگوں کے لیے نا قابلِ برداشت ہو گیا۔ حریت واخوت و مساوات کے کلمات محبوب اور مقدس بن گئے، اس وقت یہ بغاوت ابھری اور جوش وغضب کا کوہ آتش فشاں پھٹا، اور پرانے معاشرہ کا قصر زمین پر آرہا۔ آج جس چیز کو یورپ نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ اور ان کمزوریوں کے ساتھ جن کے ساتھ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی وہ صرف زندہ ہی نہیں برسر اقتدار ہے، لیکن مغربی جو کچھ کرتا ہے ایک شعور اور اپنے فلسفہ اخلاق کے تحت، مشرقی جو کچھ کرتا ہے، بے شعوری اور شخصی اعراض اور محرکات کے ماتحت، مسلمان ممالک کے قائدین اور اہلِ اقتدار سے کچھ بعید نہیں کے وہ کبھی اپنے کسی حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیع نامہ کر دیں، یا اپنی قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیں، یا اپنی قوم کو ایسی جنگ میں جھونک دیں جو اس کی مرضی و مصلحت کے خلاف ہو، اس سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ قوم اس کے باوجود بھی اس کا جھنڈا لے کر چلتی رہے، وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے، اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ یہ صورتحال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا ضمیر مردہ، اس کے قوائے فکر یہ معطل، اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے، بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں عوام کے ساتھ جانوروں سا سلوک کیا جاتا ہے۔ جہاں عوام صرف محنت مشقت کے لیے اور خواص صرف عیش وعشرت کے لیے ہیں، اور انسانیت سوز افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ لیکن نہ عوام نہ جمہور مسلمین میں اس سے غم وغصہ کی کوئی لہر پیدا ہوتی ہے۔ نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، یہ سب درحقیقت انسانی غیرت اور اسلامی خوداری کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ اس کی بنیاد میں کوئی پختہ عقیدہ، فکر اور عاقلانہ شعور نہ ہو۔ جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو، اس وقت تک کسی بادشاہ کی جلاوطنی، کوئی انقلاب حکومت اور وزارت کی تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ دوسرا غلط شخص اور غلط جماعت آسکتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے۔ اس لیے اصل قابلِ اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں برداشت نہ کر سکے۔ اس لیے عالمِ اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۔ ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و زیادتی کو برداشت کر سکے نہ دین واخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکیں، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے نہ بچ سکیں اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں، وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جب تک یہ شعور پیدا نہ ہو کسی اسلامی ملک وقوم کا جوش عمل، صلاحیت کار، دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

ماخوذ از ''انسانیت کے عروج وزوال پر مسلمانوں کے اثرات''

طیب فارانی

شکست تو مقدر تھی!

امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان کے پہاڑوں سے سر ٹکراتے رہے، روز جلتے رہے، روز مرتے رہے، اپنے سورماؤں کے بوٹوں، تابوتوں کو سلامیاں کرتے رہے!

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے پوری دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ آج کوئی ۱۱ ستمبر سے پہلے کی دنیا کو یاد کر رہا ہے تو کوئی اس کو مثال کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ جی ہاں! نائن الیون کو جزیرے عرب کے چند سرفروش جانبازوں نے فرعونِ وقت کے قلب وجگر پر ایسی کاری ضرب لگائی جو وہ آج تک نہ بھول پایا، اور صدیوں یاد رکھے گا۔ سپر پاور کہلانے والا۔۔۔ دنیا پر حکمرانی کے خواب آنکھوں میں سجانے والا۔۔۔ غرور وتکبر میں فرعون کی یاد دلانے والا۔۔۔ جسے لوگ امریکہ کہتے ہیں۔ چیختا، پکارتا دنیا بھر کے ممالک سے جنگ میں مدد مانگنے دوڑا۔ نیٹو اور نان نیٹو ۴۲ ممالک کو اپنی مدد کے لیے تیار کر لیا۔ پھر کیا تھا! یہ بدمست ہاتھی اپنے اور اتحادیوں کے لشکر، بحری بیڑے، فضائیہ، ٹینک، توپیں، بکتر بند گاڑیاں، ڈرون اور نہ جانے کون کون سی ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر ایک غریب، پس ماندہ اور برسوں کی خانہ جنگی سے تباہ حال ملک افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ جس کا نائن الیون کو زمیں بوس ہونے والے ولڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی میں کوئی کردار تھا نہ ہی اس کا کوئی باشندہ اس کام میں ملوث تھا اور نہ ہی کسی طرح کی مدد کی تھی۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے چند عرب مہمانوں کو اسلامی اور پختون روایات کے مطابق اپنی سرزمین پر رہنے کی اجازت دی تھی۔ اور پھر ان مہمانوں کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکاری تھے۔ جس میں وہ حق بجانب بھی تھے۔ اس جرم کی سزا دینے وقت کا سپر پاور اپنے اتحادیوں کے لاؤ لشکر سمیت حملہ آور ہوا کہ چند دنوں میں افغانوں کو شکست دے کے فتح سے سرشار ہوگا۔ ایک طرف دنیا بھر کی ٹیکنالوجی تھی تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ۔۔۔ ایک طرف دنیا بھر کے کافر جمع تھے تو دوسری طرف اپنے بھی منہ موڑ چکے تھے۔۔۔ ایک طرف غرور وتکبر تھا تو دوسری طرف صبر واستقامت اور غیرتِ ایمانی تھی۔۔۔ ایک طرف بحری، بّری، فضائی فوجیں تھیں تو دوسری طرف غیرت ایمانی سے سرشار جانفروشوں کی چند پرانی بندوقیں۔۔۔ ایک طرف بارود کے ڈھیر اور بارودی سرنگوں سے بچنے والی گاڑیاں تھیں تو دوسری طرف چند دیسی ساختہ بم جو بم پروف اور بارود کی تلاش کرنے والی گاڑیوں کو لے اڑے۔ جب حملہ آور آئے تو وہ بوریا نشین جو تباہ حال افغانستان کو سہارا دیئے ہوئے تھے، اس کے عوام کی خوشحالی اور امن وسکون کے لیے اپنا سب کچھ قربان کروا چکے تھے، وہ جو رب کا نظام نافذ کیے ہوئے تھے وہ تو اس کے حاکم بنے ہی اس لیے تھے کہ لوگوں کو لوگوں کی غلامی سے نکال کر لوگوں کے ربّ کی غلامی میں لے آئیں۔ اُنہوں نے سب کچھ کو چھوڑا اور حملہ آوروں کو سبق سیکھانے پہاڑوں کو رخ کر لیا۔ امریکہ، اس کے اتحادی، اس کے ٹکڑوں پر پلنے والے دانشور اور میڈیا سب کے سب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ طالبان ختم ہو گئے، مر گئے، نیست ونابود ہو گئے۔ اور امریکہ بہادر جیت گیا۔ لیکن اللہ ربّ العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔۔۔ کس کی شکست۔۔۔ کس کی فتح۔۔۔ یہ فیصلہ میرے ربّ نے کرنا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ ایک دو نہیں، چار چھ نہیں پورے چودہ سال

بیت گئے۔امریکہ اوراس کے اتحادی افغانستان کے پہاڑوں سے سر ٹکراتے رہے۔۔۔روز جلتے رہے۔۔۔روزمرتے رہے۔۔۔ اپنے سورماؤں کے بوٹوں ۔۔۔تابوتوں کو سلامیاں کرتے رہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہےاورتب تک جاری رہے گا جب تک امریکہ ذلت و رسوائیوں کے ساتھ افغانستان کی سرزمیں سے بھاگ نہ جائے۔شاید انہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ کس قوم سے لڑنے جارہے ہیں۔نہ طالبان ختم ہوئے اور نہ اُن کا نظریہ ناپید ہوااورنہ ہی بمباریاں جیلیں ،اپنوں کی غداریاں اور ہر طرح کے اوچھے ہتھکنڈے ان کے حوصلوں کو پست کر سکے۔طالبان بھی موجودہیں اور ان کا نظریہ (ربّ کی زمین پرربّ کا نظام) بھی چارسو چمک رہا ہے۔امریکہ نے پہلے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کی اوراب دوسری نہ تو افغانستان میں امن وامان بحال ہو ااور نہ ہی عوام خوش حال ہوئے۔بلکہ امریکہ سے نفرت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہاہے۔افغان فوجی جن کو تربیت اسلحہ اورتنخواہ امریکہ دے رہاہے،وہ بزدل اورکام چور نکلے۔افغان فوجیوں کوتربیت دینے والے انسٹرکٹرز کی ایک ٹیم نے اپنی خفیہ رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ افغان فوجی بزدل اورکام چورہیں وہ طالبان کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں ایک امریکی ٹرینر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ

''ایک افغان فوجی دستے کو میں نے تربیت دی اور جب تربیت مکمل ہوگئی تو انہیں زابل میں طالبان کے خلاف ایک آپریشن میں لے گیا،جب جنگ شروع ہوئی تو افغان فوجی طالبان کا مقابلہ کرنے کے بجائے درختوں اور چٹانوں کے پیچھے چھپنے لگے،اورجب انہیں طالبان کے حملے کا جواب دینے کا کہا تو کوئی بھی آگے نہ بڑھا،

اسی طرح ایک جھڑپ کے دوران میں نے افغان فوجیوں کوحکم دیا کہ حفاظتی دائرہ بناؤ تاکہ زخمیوں اور لاشوں کو نکالا جاسکے تو کوئی بھی آگے نہ بڑھا''امریکی ٹرینرز نے اپنی رپورٹ میں واضح لکھا کہ''پینٹا گون کے دعوے غلط ہیں اور افغان فوجی طالبان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے،کیونکہ طالبان زیادہ جنگی مہارت رکھتے ہیں اور بے خوف لڑتے ہیں جبکہ افغان فوجی بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ کام چور بھی ہیں،چار لاکھ افغان فوج میں صرف بیس (۲۰) ہزار''کام'' کے ہیں''یہ تو امریکی تربیت دینے والے اہلکاروں کی رپورٹ تھی جبکہ ان میں سے کچھ فوجی ایسے بھی ہیں جو موقعہ ملتے ہی امریکہ اورنیٹو کے فوجیوں پرحملہ آور ہو جاتے ہیں۔پھر طالبان سے جا ملتے ہیں۔آج افغانستان کے اکثر علاقے طالبان کے زیرکنٹرول ہیں یاوہاں طالبان کا اثرونفوذ قائم ہے۔امریکہ کبھی یہ کہتا تھا،کہ ۲۰۱۴ تک اپنی فوج افغانستان سے نکال لے گا۔صرف دس ہزار فوجی افغان فوج کی تربیت اور مدد کے لیے یہاں رہیں گے۔۔۔ ۲۰۱۴ آیا، اور گزرگیا امریکہ نے ایک سال کی توسیع کرلی کئی اتحادی ملک تنگ آکر اپنی فوج نکال چکے ہیں،اورکئی ابھی بھی بھاگنے کو تیار ہیں بس ایک اشارے کے منتظر ہیں۔امریکہ بہادر اپنی شکست چھپانے کے لیے کبھی کوئی ڈھونگ رچاتا ہے تو کبھی کوئی۔افغانستان جگہ ہی ایسی ہے جو بھی حملہ آور آیا اس کے کہساروں سے ٹکرا کر اپنی فتح کا خواب سینوں میں لیے پاش پاش ہو گیا وقت کی سپر پاوروں کو دنیا میں افغانیوں ہی کے ہاتھوں ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔پہلے برطانیہ آیا اور پھر سویت یونین ۔برطانیہ شکست کھا کر بھاگ نکلا جبکہ سویت یونین کو نہ صرف شکست کی ذلت اُٹھانی پڑی بلکہ اپنے وجود کے بھی ٹکڑے کروا بیٹھا اور آج عصرِ حاضر کی سپر پاور امریکہ شکست سے دوچار ہو رہا ہے ۔بھاگنے کی راہیں تلاش کررہا ہے۔لیکن شاید اس کے مقدر میں ابھی اور تباہ ہونا لکھا ہے۔ان شاءاللہ اس کا حشر سویت یونین سے بھی برا ہوگا۔دوسری طرف طالبان نصرتِ خداوندی سے فتح یاب ہو رہے ہیں۔جب طالبان برسر اقتدار تھے تو دنیا بھر کے ممالک ان سے نالاں تھے اور آج قطر میں طالبان اپنا سیاسی دفتر قائم کر چکے ہیں اور چین نے طالبان سے اپنے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے طالبان کے نمائندوں کو بیجنگ میں جگہ فراہم کی ہے۔طالبان نے افغانستان کا اقتدار کھو کر بہت کچھ پایا ہے جبکہ امریکہ نے افغانستان کے اقتدار پر قبضہ کر کے بہت کچھ کھویا ہے۔جس کا اسے وہم وگمان بھی نہ تھا۔

شکست تو امریکہ کا مقدر تھی جس کے اثرات اب واضح ہو تے جارہے ہیں ۔بس کچھ ہی عرصہ میں امریکہ ذلت ورسوائی کا سہرا سجائے افغانستان سے بھاگ نکلے گا اور پھر۔۔۔ وہی طالبان ۔۔۔جن کو عالمِ کفر ۔۔۔مٹانے آیا تھا۔۔۔افغانستان پر ۔۔۔ربّ کا نظام۔۔۔نافذ کررہے ہوں گے۔ان شاءاللہ

دلِ دشمناں سلامت، دلِ دوستاں نشانہ!

سفیان بن حسین نامی ایک شخص قاضی ایاس بن معاویہ کی محفل میں بیٹھ کر کسی شخص کی غیبت کرنے لگا۔قاضی نے اس سے کہا''کیا آپ نے رومیوں کے خلاف جہاد کیا؟'' کہنے لگا''نہیں''پوچھا''سندھ اور ہند کے جہاد میں شریک ہوئے ہو''کہا ''نہیں''فرمانے لگے''روم ،سندھ اور ہند کے کفار تو آپ سے محفوظ رہے لیکن بے چارہ اپنا ایک مسلمان بھائی آپ سے نہ بچ سکا اور زبان کی تلوار اس پر چلا دی''سفیان پر ان کے اس جملے کا اس قدر اثر ہوا کہ زندگی بھر پھر کسی کی غیبت نہ کی۔

(البدایہ والنھایہ؛ج۹ص۳۳۶)

دعوتی عمل اور جہاد کا اصلاحی کردار

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم تو دیا لیکن اسلامی و دینی مفاد عامہ کو سامنے رکھ کر دیا ہے۔ چنانچہ کہیں کہیں پر امر بالمعروف بھی منع ہے اور کہیں پر نہی عن المنکر بھی منع ہے کہیں تلوار کی دھار بھی روکنی پڑ جاتی ہے اور کہیں میٹھی اندازِ دعوت بھی۔ آیئے اس بات کو امام ابن تیمیہؒ کی زبانی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں !!!

چونکہ یہ عمل عظیم ترین فرائض اور محبوب ترین اعمال میں سے ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس میں بھلائی کو فساد اور بگاڑ پر ترجیح حاصل رہے۔ یہی رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتب کے نزول کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے اور جو احکام انہوں نے دیے ہیں، وہ سب اصلاحی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصلاح اور مصلحین کی اور اسی طرح ایمان لاکر اعمالِ صالحہ کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ جب کہ متعدد مقامات پر فساد کرنے والوں کو برا کہا ہے۔ اس لیے اگر کہیں امر اور نہی کے عمل میں فساد کا پہلو اصلاح پر غالب آجائے، تو یہ وہ امر اور نہی شمار نہیں ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگرچہ وہاں کوئی واجب ترک کر دیا گیا ہو یا حرام کا ارتکاب ہوا ہو۔ کیوں کہ مومن پر لازم ہے کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں اس سے ڈرے۔ ان کو ہدایت پر لے آنا اس کی ذمہ داری میں شامل بھی نہیں ہے۔ یہی معنی اس ارشاد باری تعالیٰ کا بھی ہے: اے ایمان والو! تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو، کوئی بھی گمراہ ہوجائے اس سے تمہارا کوئی بھی نقصان نہیں جب کہ تم ہدایت پر چل رہے ہو۔ (المائدہ 105) ہدایت پر چلنا اپنا فرض ادا کر دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی دیگر ذمہ داریاں بھی پوری کرتا رہتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتا رہتا ہے۔ تو کسی گمراہ کے راہ بھٹک جانے کا اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

دعوتی عمل کے درجات

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کبھی دل سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی ہاتھ سے۔ جہاں تک دل سے اس کی ادائیگی کا تعلق ہے، تو وہ ہر حال میں ضروری ہے کیوں کہ ایسا کرنے میں کسی کا کوئی نقصان نہیں اور جو شخص اتنا بھی نہیں کرتا۔ وہ مومن ہی نہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: یہ ایمان کا سب سے چھوٹا یا سب سے کمزور درجہ ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ زندوں میں مردہ کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جو نہ کسی معروف کو پہچانتا ہے نہ کسی برائی کو برا جانتا ہے۔ ایسے ہی لوگ مراد ہیں۔ اس مفتون سے جسکا ذکر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہوا۔

ایک مغالطے کی وضاحت

یہاں بعض لوگوں کو مغالطہ ہوجاتا ہے۔ جسکی وجہ سے کچھ لوگ اس آیت کی ایسی تاویل کرتے ہیں، جس سے ضروری معاملات میں بھی امر و نہی کا فریضہ ترک کر دیتے ہیں۔ اسکی طرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی اپنے خطبہ میں بھی ارشاد فرمایا۔ آپ ؓ نے فرمایا ہے کہ: تم لوگ اس آیت کریمہ ''تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو، کوئی بھی گمراہ ہوجائے اس سے تمہارا کوئی بھی نقصان نہیں جب کہ تم ہدایت پر چل رہے ہو۔ (المائدہ 105) کو شمار تو کرتے ہو مگر اس کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہو۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جب لوگ برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں۔ تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آجائے اور ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

مغالطے والا دوسرا طبقہ

وہ لوگ ہیں۔ جو براہ راست ہاتھ یا زبان سے امر و نہی کرنا چاہتے ہیں، نہ بات کی تہہ میں جاتے ہیں، نہ ان میں قوت برداشت ہے، نہ صبر ہے، نہ ہی وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس موقع پر کیا رویہ درست ہے اور کیا درست نہیں۔ نہ ہی انہیں یہ پرواہ ہوتی ہے کہ یہ کام کرنے کی ان میں طاقت بھی ہے یا نہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں رہنمائی موجود ہے۔ آپ ؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھائی کی طرف بلاتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ بخل کا دور دورہ ہے، خواہشاتِ نفس کی اتباع عام ہے، دنیا کو ترجیح

دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو برتر سمجھنے لگا ہے اور ایسے میں تمہاری کوئی بات نہ چل سکتی ہو۔تو تم اپنی فکر کرو اور عوام کا معاملہ چھوڑ دو۔تمہارے بعد صبر کا زمانہ بھی آنے والا ہے،جس میں صبر کرنا اسی طرح ہوگا جیسے انگارے کو مٹھی میں لے لینا۔اس زمانے میں عمل کرنے والے کو پچاس ایسے آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا جو اسی جیسا عمل بجا لا رہے ہوں گے۔اس مغالطے کا شکار لوگ ان حالات میں اسی انداز سے امر ونہی کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر رہے ہیں حالاں کہ وہ دراصل حدود اللہ سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ بہت سے اہلِ بدعت اور خواہشات کے پجاری خوارج ،معتزلہ اور روافض وغیرہ منحرف ہو گئے۔ان لوگوں نے امرونہی اور اسکی خاطر جہاد کی غلط تاویل کی۔جس میں فساد کا پہلو اصلاح پر غالب آ گیا۔اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حکام کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم فرمایا (موجودہ حکومتیں نہیں بلکہ اس سے اسلامی حکومت کے اعمال کے کمزور حکمران مراد ہیں؛مترجم) اور اس وقت تک ان سے جنگ کرنے سے منع فرمایا جب تک نماز قائم کرتے رہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:ان کے حقوق انہیں ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو۔

فتنوں کے دور میں دعوت وجہاد کا عمل

اسی بنیاد پر اہلِ سنت والجماعت کا یہ اصول ہے کہ جماعت سے وابستہ رہا جائے۔حکام سے جنگ نہ کی جائے اور فتنہ کے ایام میں بھی قتال سے اجتناب کیا جائے۔جو لوگ خواہشات کے پجاری ہیں۔جیسے معتزلہ وغیرہ تو حکام سے جنگ کرنا ان کے نزدیک دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔معتزلہ اپنے دین کے پانچ اصول بتاتے ہیں۔(1)توحید؛جو کہ ان کے نزدیک صفات کے نہ ماننے کا نام ہے۔(2)عدل؛جس سے مراد تقدیر کا انکار ہے۔(3)منزلہ بین المنزلتین (ایمان اور کفر کے درمیان ایک مقام کا نظریہ)(4)وعید کا نفاذ(5)امر بالمعروف ونہی عن المنکر؛ان کے نزدیک حکام سے جنگ کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔حکام سے متعلق کسی اور مقام پر گفتگو کی ہے۔اس پوری بحث کا خلاصہ ایک عمومی قاعدہ میں موجود ہے۔کہ ”جب مصالح اور مفاسد یا اچھائیاں اور برائیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہوں یا ایک دوسرے کے مدمقابل آ جائیں تو ایسی صورت میں راجح کو ترجیح دینا واجب ہے۔“ چنانچہ جب ان کے درمیان ایسی صورت پیدا ہو جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہ کسی مصلحت کے حصول یا فساد کے خاتمہ کے لیے ہی ہو،اسے عمل میں لانے سے پہلے دونوں حالتوں کا موازنہ کیا جائے گا۔اگر اس موقع پر امر بالمعروف یا نہی عن المنکر سے پہلے کی نسبت زیادہ مفادات کو خطرہ ہو یا پہلے کی نسبت زیادہ مفاسد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو یہاں فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شرعی حکم نہیں ہوگا بلکہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔البتہ فائدے اور نقصان کا تعین شریعت کے معیار کے مطابق ہی کیا جائے گا۔جب تک نصوص شرعیہ کی پیروی انسان کے بس میں ہو انہیں چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار نہیں کیا جاسکتا اور جب یہ بات ممکن نہ رہے۔تو اشباہ ونظائر کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا جاتا ہے۔ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص نصوص شرعیہ اور احکام کے بارے میں ان کی دلالات کا ماہر ہو اور اسے نصوص سے رہنمائی نہ مل سکے۔اس بناء پر اگر کسی فرد یا گروہ میں معروف اور منکر دونوں یوں جمع ہوں کہ وہ ان دونوں میں فرق نہ کرتے ہوں ۔اگر عمل میں لائیں تو دونوں کو لاتے ہیں اور اگر چھوڑیں تو دونوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو ایسی صورت میں بلا تامّل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس میں غور کرکے دیکھنا چاہیے۔اگر تو ایسا کرنے سے منکر کی نسبت زیادہ معروف کے حصول کا امکان ہو تو امر بالمعروف کا اہتمام کیا جائے۔خواہ اس کے نتیجہ میں کسی حد تک منکر کا پیدا ہو جانا یقینی ہی ہو۔اگر کہیں حالات ایسے ہوں کہ نہی عن المنکر کرنے سے برائی ختم کرتے کرتے اس کے مقابلے میں زیادہ بھلائی ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں نہی عن المنکر کرنا ٹھیک نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے،اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ختم کرنے اور نیکیوں کا رواج مٹانے کے مترادف ہو گا۔اس کے برعکس اگر منکر معروف پر غالب ہو تو اس سے روکنا ضروری ہے اگرچہ اس کی وجہ سے تھوڑے بہت معروف کا نقصان بھی ہو۔یہاں ایسا امر بالمعروف جس کے نتیجے میں زیادہ برائی پیدا ہو جانا یقینی ہو ،بذاتِ خود برائی پھیلانے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کو رواج دینے کے مترادف ہے۔اگر کسی جگہ اچھائی اور برائی دونوں برابر ہوں اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں سے کسی کو بھی لازمی قرار نہیں دیا جائے گا۔کیوں کہ حالات کے مطابق کبھی امر کام دے گا اور کبھی نہی اور کبھی ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کام نہ آئے گا۔یہ صورت مخصوص حالات میں پیش آسکتی ہے جہاں اچھائی اور برائی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہو جائیں ۔باقی جہاں تک مطلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو ان دونوں کو بجالایا جائے گا۔

(حضرت ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اسلام کا نظامِ حسبہ“ سے اقتباس)

> ایسا امر بالمعروف جس کے نتیجے میں زیادہ برائی پیدا ہو جانا یقینی ہو ،بذاتِ خود برائی پھیلانے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کو رواج دینے کے مترادف ہے

مولانا محمد جہان یعقوب

میڈیا کا محاذ اور وقت کی پکار

"صحافت" عربی زبان کا لفظ ہے' جو" صحیفہ" سے ماخوذ ہے اور"صحیفہ" اس تحریری مواد کو کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتا ہے' مثلاً اخبارات.... پھر اخبارات میں روزنامے' تین روزے' ہفت روزے اور پندرہ روزہ اخبارات' اسی طرح رسائل و جرائد خواہ وہ پندرہ روزہ ہوں یا ہفت روزہ یا ماہنامہ یا تین یا چھ مہینے بعد جاری کیے جاتے ہوں' غرض یہ کہ لغت میں صحافت کا تعلق تحریری مواد سے ہے ,لیکن اب اس کا اطلاق صرف تحریری مواد کے ساتھ خاص نہیں رہا بلکہ ہرقسم کے میڈیا پر ,خواہ وہ پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات' رسائل و جرائد وغیرہ ہوں یا الیکٹرونک میڈیا یعنی ٹی وی چینلز' ریڈیو' انٹرنیٹ و کیبل وغیرہ ہوں یا سوشل میڈیا یعنی ٹویٹر' ویب سائٹس اور فیس بک وغیرہ,سب پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔اس تحریر میں بھی صحافت اور میڈیا کے الفاظ کے مصداق میں یہ تمام ذرائع ابلاغ داخل ہیں۔

صحافت یا میڈیا اپنے ما فی الضمیر کے اظہار ہی کا نہیں بلکہ اپنے قارئین ومخاطبین کے اذہان کو اپنے ما فی الضمیر کے مطابق ہموار کرنے کا ایک بہترین اور موثر ترین ذریعہ ہے، اسے عرف عام میں پروپیگنڈہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہی میڈیا ہے جو چاہے تو کسی فرد ادارہ یا جماعت کو قبول عام کی معراج پر پہنچادے اور یہی میڈیا ہے جو اگر چاہے تو کسی فرد، ادارہ یا جماعت کو ناپسندیدگی کے تحت الثریٰ میں گرادے' ہیرو کو زیرو اور زیرو کو ہیرو بنانا میڈیا کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔میڈیا کا معاشرے پر اس قدر اثر ورسوخ ہے کہ لوگوں نے غیر محسوس طور پر اپنے اذہان کو میڈیا کے تابع کر دیا ہے، دوسرے لفظوں میں لوگوں نے میڈیا کے ذہن سے سوچنا' میڈیا کی آنکھ سے دیکھنا اور میڈیا کے پیمانوں سے جانچنا اور پرکھنا شروع کر دیا ہے۔تاریخ کا طالب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف و آگاہ ہے کہ' گو کہ میڈیا یا صحافت' جرنلزم اور ماس کمیونیکیشن کی اصطلاحات بہت بعد میں ایجاد ہوئی ہیں' تاہم اس کا استعمال بہت پہلے سے بلکہ ابتدائے آفرینش سے تھا۔اس کے آغاز کے حوالے سے کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ 1897ءمیں دنیا بھر کے تین سو یہودی مفکرین ،دانشوراور عقلاجمع ہوکر جب پوری دنیا پر اپنے "پایہ استبداد" کے قیام کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے تو انہوں نے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے جہاں سونے اور تیل کے ذخائر پر قبضہ کو ضروری قرار دیا، وہیں میڈیا کی ضرورت کو بھی بنیادی اہمیت دی۔اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اس دن سے لے کر آج تک میڈیا بالخصوص الیکٹرونک میڈیا پر چند یہودی کمپنیوں کی اجارہ داری ہے جو دجال کی راہ ہموار کرنے کیلیے دجالی مقاصد واہداف کو سامنے رکھ کر برسرپیکار ہیں۔یہ میڈیاوار کا دور ہے۔نائن الیون کے بعد سے بالخصوص اب جنگیں تیر وتفنگ اور ہتھیار واسلحے کی بجائے میڈیا کے محاذ پر لڑی جا رہی ہیں' اب مقابلے حرب وضرب کے میدانوں کے ذریعے نہیں بلکہ میڈیا وصحافت کے میدانوں میں ہو رہے ہیں۔اب

مقابلے میں ہار جیت کا مدار جنگی مہارت پر اتنا نہیں‘ جتنا میڈیا کے پروپیگنڈے پر ہے۔یہی میڈیا ہے‘ جو ایک بزدل قوت کو شیر نر اور ایک شیر کو گیدڑ ثابت کرنے کا ہنر رکھتا ہے۔یہی میڈیا ہے جو پل بھر میں فاتح کو مفتوح اور مفتوح کو فاتح ثابت کر دکھاتا ہے۔دورِ حاضر میں تو مستثنیات کے علاوہ وہ اندھیر مچی ہوئی ہے کہ الامان والحفیظ!دورِ حاضر کے مفاد پرست صحافی اور میڈیا مالکان وکارندے اپنے جائز وناجائز مفادات کی خاطر اپنے قلم اور میڈیا کی طاقت سے جب چاہیں مجرم کو محرم اور محرم کو مجرم بنا سکتے ہیں۔اسلام اس قسم کی صحافت کی آڑ میں بلیک میلنگ کی تو کسی طور اجازت نہیں دیتا،تاہم اس کے باوجود اسلام نے کبھی بھی صحافت اور میڈیا کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔اسلام میڈیا کی ضرورت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا اور اس کے درست طریقے سے درست سمت میں استعمال کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔یہ بات" دو جمع دو چار" کی طرح واضح ہے کہ اسلام کا بنیادی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے‘ جس کے دو جز ہیں 1۔۔۔احقاق الحق اور 2۔۔۔ابطال باطل‘ اور اسلام ان دونوں محاذوں پر میڈیا کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے۔میڈیا پر غیروں کے تسلط در تسلط کے باوجود اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اس صورتحال کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں موند لینا اور میدان غیروں کے لیے کھلا چھوڑ دینا بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔اس صورت حال میں ردو قبول کے خود ساختہ معیاروں اور عزت وشہرت اور نفع وضرر کے پیمانوں کو ایک طرف رکھ کر" قطرہ قطرہ بہم شود دریا" کے اصول کو سامنے رکھنے اور اس یلغار کی روک تھام اور اس کا رخ موڑنے کے حوالے سے اپنے ممکنہ کردار کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے‘ اس منہ زور گھوڑے کے مقابلے میں میدان چھوڑنے کی بجائے اپنی بساط بھر کوشش کرنا ہی وقت کا تقاضا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام نے شرعی حدود وقیود میں رہتے ہوئے میڈیا کے استعمال کی ہر دور میں حوصلہ افزائی کی ہے۔اس وقت میڈیا کی لگامیں یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں ہیں،یہ جب بھی ،جہاں بھی،جس وقت بھی عالم اسلام پر کوئی بھی سازشی اور تخریبی یلغار کرنا چاہیں تو اس میڈیا کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی کوششوں میں تقریباً کامیابی سے ہمکنار بھی ہوجاتے ہیں،تو ایسی صورت میں اسلامی صحافت کی ضرورت واہمیت

اسلامی صحافت سے ہی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی وثقافتی ،تہذیبی اور سیاسی قدروں اور خوبیوں کی نگہبانی کرے گا اور اسلام کے خلاف ہر غلط پروپیگنڈہ کا دندان شکن جواب دے گا۔ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی پر میڈیا کے اثرات غیر معمولی ،گہرے اور ہمہ گیر ہیں،اسلامی صحافت مغربی یلغار کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی اعلیٰ بلند افکار وآرا اور روشن پہلوؤں کو ذکر کرکے سماجی اور معاشرتی زندگی پر اچھے اور گہرے اثرات مرتب کرسکتا ہے

مزید بڑھ جاتی ہے۔موجودہ دور میں میڈیا کے ذریعے ایسا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ جس کے مقابلے میں اعلیٰ اخلاقی وثقافتی اور تہذیبی وسیاسی قدروں ،خوبیوں اور افضل ترین افکار وآراء کی ادنیٰ سی بھی اہمیت نہیں رہتی،ایسی صورت میں اسلامی صحافت سے ہی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی وثقافتی ،تہذیبی اور سیاسی قدروں اور خوبیوں کی نگہبانی کرے گا اور اسلام کے خلاف ہر غلط پروپیگنڈہ کا دندان شکن جواب دے گا۔ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی پر میڈیا کے اثرات غیر معمولی ،گہرے اور ہمہ گیر ہیں،اسلامی صحافت مغربی یلغار کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی اعلیٰ بلند افکار وآرا اور روشن پہلوؤں کو ذکر کرکے سماجی اور معاشرتی زندگی پر اچھے اور گہرے اثرات مرتب کرسکتا ہے۔فحاشی اور عریانی کے سیلاب کی تندی وتیزی میں میڈیا سب سے موثر اور اہم کردار ادا کر رہا ہے،جس کی وجہ سے مسلمانوں خاص طور پر نوجوان اور نئی نسل کو اسلام کی عملی وفکری ،تہذیبی اور اعلیٰ اخلاقی تشخص سے تہی دست کرنے کی بھرپور کوششیں ہورہی ہیں۔اسلامی میڈیا ہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ موجودہ میڈیا کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی نشاطِ ثانیہ کی بہتر آبیاری کرے گا اور فحاشی وعریانی کے سیلاب کے آگے مضبوط بند باندھے گا۔موجودہ میڈیا نام نہاد اسلامی اسکالرز کے ذریعے شریعت کی روح کو مسخ کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے تو اسلامی میڈیا ہی ہے جو شریعت کی اصل روح کو برقرار اور مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت بدرجہ اتم کرسکتا ہے۔میڈیا حقائق سے چشم پوشی کا مرتکب ہورہا ہے،خصوصاً ان ننھے اور مظلوم مسلمانوں کی حالت زار سے غیروں کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں،اپنی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں تو اسلامی میڈیا ہی پر نگاہ انتخاب مرکوز ہوکر رہ جاتی ہے کہ ہر حال میں حقیقت شناسی سے کام لیکر مظلوموں کی آہوں اور سسکیوں کا اپنے تئیں مداوا کرے۔اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ ابھی اس میدان میں اہل اسلام کو بہت کچھ کرنا ہے،لیکن جو کچھ اور جتنا کچھ ہورہا ہے وہ بھی بسا اوقات غنیمت ہے۔بارش کا پہلا قطرہ بننے والے اداروں‘ اخبارات وجرائد کی حوصلہ افزائی ہی مستقبل قریب میں چھم چھم برسات کی نوید ثابت ہوسکتی ہے۔ہم اگر چہ" باطل کا مقابلہ اس کے ہتھیاروں سے کرنے" کے سرسیدی نظریے کے قائل نہیں ہیں،تاہم ساحران فرعون کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جامہ وپیراہن زیب تن کرنے کے فوائد وثمرات بھی تاریخ کی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے

سید قطب شہیدؒ

اسلام اپنا رول کیسے ادا کر سکتا ہے

"جمہوریت مغرب میں بانجھ ثابت ہو چکی ہے جس کی وجہ سے مغرب مشرقی افکار و نظریات اور نظام ہائے حیات کی خوشہ چینی پر مجبور نظر آتا ہے"

"اس انتہائی نازک، ہوش ربا اور اضطراب انگیز مرحلے میں تاریخ کے اسٹیج پر اب اسلام اور امت مسلمہ کی باری آئی ہے"

"اسلام اپنا رول اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ ایک معاشرہ کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو"

آج انسانیت جہنم کے کنارے کھڑی ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہمہ گیر تباہی کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، کیوں کہ یہ خطرہ تو محض ظاہری علامت ہے، اصل مرض نہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آج انسانیت کا دامن ان اقدارِ حیات سے خالی ہو چکا ہے، جن سے اسے نہ صرف صحت مندانہ بالیدگی (پروان چڑھنا) حاصل ہوتی ہے، بلکہ حقیقی ارتقا بھی نصیب ہوتا ہے۔ خود اہل مغرب پر بھی اپنا یہ روحانی افلاس اچھی طرح آشکارا ہو چکا ہے، کیوں کہ تہذیبِ مغرب کے پاس انسانیت کے سامنے پیش کرنے کے لیے آج کوئی صحت مند قدرِ حیات باقی نہیں، بلکہ اسکے دیوالیہ پن کا تو آج یہ حال ہے کہ اسے خود اپنے وجود و بقا کے لیے بھی کوئی ایسی معقول بنیاد یا وجہِ جواز نہیں مل رہی جس سے اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ضمیرِ اجتماعی ہی کو مطمئن کر سکتی۔ جمہوریت مغرب میں بانجھ ثابت ہو چکی ہے جس کی وجہ سے مغرب مشرقی افکار و نظریات اور نظام ہائے حیات کی خوشہ چینی پر مجبور نظر آتا ہے۔ سوشلزم کے پردے میں مشرقی کیمپ کے اقتصادی تصورات کو جس طرح مغرب میں اپنایا جا رہا ہے، وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ دوسری طرف خود مشرقی کیمپ کا حال بھی پتلا ہے۔ مشرق کے اجتماعی نظریات کو لیجیے، ان میں مارکسزم پیش پیش ہے۔ یہ نظریہ شروع شروع میں مشرقی دنیا، بلکہ خود اہل مغرب کی ایک کثیر تعداد کو بھی، اپنی جانب کھینچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی کامیابی کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ محض ایک نظام ہی نہ تھا بلکہ اس پر عقیدہ کی چھاپ بھی لگی ہوئی تھی۔ مگر اب مارکسزم بھی فکری اعتبار سے مات کھا چکا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اب یہ ایک ایسی ریاست کا نظام بن کر رہ گیا ہے جسے مارکسزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں، تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ بہ حیثیت مجموعی یہ نظریہ انسانی فطرت کی ضد واقع ہوا ہے، اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے متحارب ہے۔ یہ صرف خستہ اور زبوں حالی میں ہی پھل پھول سکتا ہے۔ یا پھر اس کے لیے وہ ماحول سازگار ہوتا ہے جو طویل عرصہ تک ڈکٹیٹر شپ کو برداشت کرتے کرتے اس سے مانوس ہو چکا ہو، لیکن اب تو اس طرح کے پامال اور بے جان ماحول میں بھی اسکا مادہ پرستانہ اقتصادی تجربہ ناکام ثابت ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہی وہ واحد پہلو ہے جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہے، اور جس پر اسے ناز ہے۔ روس اشتراکی نظام کے علمبردار ملکوں کا سرخیل ہے۔ مگر اسکی غذائی پیداوار روز بروز گھٹتی جا رہی ہے۔ حالانکہ زار کے عہد میں بھی روس فاضل اناج پیدا کرتا رہا ہے۔ مگر اب وہ باہر سے اناج درآمد کر رہا ہے اور روٹی حاصل کرنے کے لیے اپنے سونے کے محفوظ ذخائر تک بیچ رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا اجتماعی کاشت کا نظام یک سر ناکام ہو چکا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ نظام جو انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے اپنے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے۔

قیادت نو کی ضرورت!

ان حالات کی روشنی میں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انسانیت اب ایک نئی قیادت کی محتاج ہے۔ اب تک انسانیت کی یہ قیادت اہل مغرب کے ہاتھ میں تھی مگر

اب یہ قیادت رو بہ زوال ہے اور جیسا کہ ہم او پر عرض کر چکے ہیں، اس قیادت کے زوال کا یہ سبب نہیں ہے مغربی تہذیب ماڈی لحاظ سے مفلس ہو چکی ہے، یا اقتصادی اور عسکری اعتبار سے مضمحل ہوگئی ہے بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ مغربی انسان ان زندگی بخش اقدام سے محروم ہو چکا ہے جنکی بدولت وہ قیادت کے منصب پر فائز رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے تاریخ کے اسٹیج پر اسکا رول تمام ہو چکا ہے اور ایک ایسی قیادت کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے جو ایک طرف یورپ کی تخلیقی ذہانت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ماڈی ترقی کی حفاظت کر سکے اور اسے مزید نشوونما دے سکے، اور دوسری طرف انسانیت کو ایسی اعلی اور اکمل اقدار حیات بھی عطا کر سکے، جن سے انسانی علم اب تک نا آشنا رہا ہے، اور ساتھ ہی انسانیت کو ایک ایسے طریق زندگی سے بھی روشناس کرا سکے جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہو، مثبت اور تعمیری ہو، اور حقیقت پسندانہ ہو۔ یہ حیات آفرین اقدار اور منفرد نظام حیات صرف اسلام کے پاس ہے۔ اسلام کے سوا کسی اور ماخذ سے اسکی جستجو لاحاصل ہے۔ علمی ترقی کی تحریک بھی اب اپنی افادیت کھو چکی ہے۔ اس تحریک کا آغاز سولہویں صدی عیسوی میں علمی بیداری کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، اٹھارہویں اور انیسویں صدی اس کا زمانہ عروج تھا، مگر اب اس کے پاس بھی کوئی سرمایہ حیات باقی نہیں رہا ہے۔ تمام قومی اور وطنی نظریات جو اس دور میں نمودار ہوئے، اور وہ تمام اجتماعی تحریکیں جو ان نظریات کی بدولت برپا ہوئیں ان کے پاس بھی اب کوئی نیا حربہ باقی نہیں رہا ہے۔ الغرض ایک ایک کر کے تمام انفرادی اور اجتماعی نظریات اپنی ناکامی کا اعلان کر چکے ہیں۔

اسلام کی باری!

اس انتہائی نازک، ہوش ربا اور اضطراب انگیز مرحلے میں تاریخ کے اسٹیج پر اب اسلام اور امت مسلمہ کی باری آئی ہے۔ اسلام موجودہ ماڈی ایجادات کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو مادی ترقی کو انسان کا فرض اولین قرار دیتا ہے۔ زمین پر نیابت الٰہی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد پہلے دن ہی سے اسے جتا دیا گیا تھا کہ مادی ترقی کا حصول اس کا فرض اولین ہے۔ چنانچہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسلام چند مخصوص شرائط کے تحت مادی جدوجہد کو عبادت الٰہی کا درجہ دیتا ہے اور اسے تخلیق انسانی کی غرض و غایت کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورہ البقرہ 30) اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

> امت مسلمہ کسی ملک کا نام نہیں ہے جہاں اسلام بستا رہا ہے، اور نہ کسی ،قوم، سے عبارت ہے جسکے آباءواجداد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام کے سائے میں زندگی گزارتے رہے ہیں بلکہ یہ اس انسانی جماعت کا نام ہے جسکے طور طریق، افکار و نظریات، قوانین و ضوابط، اقدار اور معیار رِدّ و قبول، سب کے سُوتے اسلامی نظام سے پھوٹتے ہیں

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہ سورۃ الذاریات۔56

اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔" اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو جس مقصد کے لیے اٹھایا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ امت مسلمہ اپنے اس مقصد وجود کو پورا کرے۔ اس بارے اللہ تعالی فرماتے ہیں: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ہ سورہ آل عمران۔110

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ہ سورۃ البقرہ۔143

اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

اسلام اپنا رول کیسے ادا کر سکتا ہے؟

اسلام اپنا رول اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ ایک معاشرہ کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اپنا صحیح رول ادا کرنے کے لیے اسلام کے لیے ایک امت اور قوم کی شکل اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ دنیا نے کسی دور میں، اور بالخصوص دور حاضر میں، کبھی ایسے خالی خولی نظریہ پر کان نہیں دھرا جس کا عملی مظہر اسے جیتی جاگتی سوسائٹی میں نظر نہ آئے۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ امت مسلمہ کا "وجود" کئی صدیوں سے معدوم ہو چکا ہے کیوں کہ امت مسلمہ کسی ملک کا نام نہیں ہے جہاں اسلام بستا رہا ہے، اور نہ کسی ،قوم، سے عبارت ہے جسکے آباءواجداد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام کے سائے میں زندگی گزارتے رہے ہیں بلکہ یہ اس انسانی جماعت کا نام ہے جسکے طور طریق، افکار و نظریات، قوانین و ضوابط، اقدار اور معیار رِدّ و قبول، سب کے سُوتے اسلامی نظام سے پھوٹتے ہیں۔ ان اوصاف و امتیازات کی حامل امّت مسلمہ اُسی لمحے سے نہاں خانہ عدم کی نذر ہو چکی ہے جس لمحہ روئے زمین پر شریعت الٰہی کے تحت حکمرانی و جہاں بانی کا فریضہ معطل ہوا ہے لیکن اگر اسلام کو دوبارہ وہ کردار ادا کرنا ہے جس کے لیے آج انسانیت چشمِ براہ ہے۔ تو ناگزیر ہے کہ پہلے امت مسلمہ کے اصل وجود کو بحال کیا جائے، اور اس امت مسلمہ کو از سر نو زندہ کیا جائے جس پر کئی نسلوں کا ملبہ پڑا ہوا ہے، جو غلط نظریات کے انباروں میں دبی پڑی ہے، جو خود ساختہ اقدار و روایات کے اندر مدفون ہے اور جو ان باطل قوانین و دساتیر کے ڈھیروں میں پنہاں ہے جن کا اسلام اور

اسلام کے طریقہ حیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے مگر اس کے باوجود اب تک اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ اسکا وجود قائم و دائم ہے اور نام نہاد" عالم اسلامی" اس کا مسکن ہے!! میں اس بات سے بے خبر نہیں ہوں کہ تجدید واحیا کی کوشش اور حصول قیادت کے درمیان بڑا طویل فاصلہ ہے۔ ادھر امت مسلمہ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اصل" وجود" کو عرصہ طویل سے فراموش کر چکی ہے، اور تاریخ کے اسٹیج سے رخصت ہوئے اسے زمانہء دراز گزر چکا ہے۔ غیر حاضری کے اس طویل وقفے میں انسانی قیادت کے منصب پر مختلف نظریات وقوانین، اقوام اور کچھ اور روایات قابض پائی گئی ہیں۔ یہی وہ دور تھا جس میں یورپ کے عبقری ذہن نے سائنس، کلچر، قانون اور مادی پیداوار کے میدان میں وہ حیرت ناک کارنامے انجام دیئے، جن کے باعث اب انسانیت مادی ترقی اور ایجادات کے نقطہ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ ان کمالات پر یا ان کمالات کے موجدین پر بآسانی انگلی نہیں دھری جاسکتی۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ وہ خطہ زمیں بھی جسے" دنیائے اسلام" کے نام سے پکارا جاتا ہے ان ایجادات سے قریب قریب خالی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اسلام کا احیا نہایت ضروری ہے۔ احیائے اسلام کی ابتدائی کوشش اور حصول امامت کے درمیان خواہ کتنی ہی لمبی مسافت حائل ہو اور خواہ کتنی گھاٹیاں سدِّ راہ ہوں، احیائے اسلام کی تحریک سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو اس راہ میں پہلا قدم ہے اور ناگزیر مرحلہ!

امامت عالم کے لیے ناگزیر

صلاحیت کیا ہے؟

ہمیں اپنا کام علیٰ وجہ البصیرت کرنے کے لیے متعین طور پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا صلاحیتیں ہیں جن کی بنا پر امّت مسلمہ امامتِ عالم کا فریضہ ادا کرسکتی ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ ہم تجدید وحیا کے پہلے ہی مرحلے میں ان صلاحیتوں کی تفصیل اور تشخیص میں کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائیں۔ امت مسلمہ نہ آج اس بات پر قادر ہے اور نہ اس سے یہ مطلوب ہے کہ وہ انسانیت کے سامنے مادّی ایجادات کے میدان میں ایسے خارق عادت تفوّق کا مظاہرہ کرے، جس کی وجہ سے اس کے آگے انسانوں کی گردنیں جھک جائیں، اور یوں اپنی اس مادی ترقی کی بدولت وہ ایک بار پھر اپنی عالمی قیادت کا سکہ منوالے۔ یورپ کا عبقری دماغ اس دوڑ میں بہت آگے جا چکا ہے اور کم ازکم آئندہ چند صدیوں تک اس امر کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی کہ یورپ کی مادی ترقی کا جواب دیا جاسکے یا اس پر تفوّق حاصل کیا جاسکے۔ لہذا ہمیں کسی دوسری صلاحیت کی ضرورت ہے۔ ایسی صلاحیت جس سے تہذیبِ حاضر عاری ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ مادی ترقی کے پہلو کو سرے سے نظر انداز کردیا جائے ۔ بلکہ اس معاملے میں بھی پوری جاں فشانی اور جدوجہد لازم ہے، لیکن اس نقطہ نظر سے نہیں کہ ہمارے نزدیک موجودہ مرحلے میں یہ انسانی قیادت کے حصول کے لیے کوئی ناگزیر صلاحیت ہے، بلکہ اس نقطہ نظر سے کہ یہ ہمارے وجود وبقا کی ایک ناگزیر شرط ہے اور خود اسلام جو انسان کو خلافت ارضی کا وارث قرار دیتا ہے اور چند مخصوص شرائط کے تحت کارِ خلافت کو عبادتِ الٰہی اور تخلیق انسانی کی غرض وغایت خیال کرتا ہے، مادّی ترقی کو ہم پر لازم ٹھہراتا ہے۔ انسانی قیادت کے حصول کے لیے مادّی ترقی کے علاوہ کوئی اور صلاحیت درکار ہے اور یہ صلاحیت صرف وہ عقیدہ اور نظام زندگی ہوسکتا ہے جو انسانیت کو ایک طرف یہ موقع دے کہ وہ مادّی کمالات کا تحفظ کرے، اور دوسری طرف وہ انسانی فطرت کی ضروریات اور تقاضے ایک نئے نقطہ نظر کے تحت اس طمطراق کے ساتھ پورا کرے جس طرح موجودہ مادّی ذہن نے پورا کیا ہے اور پھر یہ عقیدہ اور نظام حیات عملاً ایک انسانی معاشرے کی شکل اختیار کرے یا بالفاظِ دیگر ایک مسلم معاشرہ اسکا نمایندہ ہو۔

عہدِ حاضر کی جاہلیت!

موجودہ انسانی زندگی کی بنیادیں اور ضابطے جس اصل اور منبع سے ماخوذ ہیں اس کی رو سے اگر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ساری دنیا" جاہلیت" میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور" جاہلیت" بھی اس رنگ ڈھنگ کی ہے کہ یہ حیرت انگیز مادی سہولتیں اور آسائشیں اور بلند پایہ ایجادات بھی اس کی قباحتوں کو کم یا ہلکا نہیں کرسکتیں۔ اس جاہلیت کا قصر جس بنیاد پر قائم ہے، وہ ہے اس زمین پر خدا کے اقتدارِ اعلی پر دست درازی، اور حاکمیت جو الوہیت کی مخصوص صفت ہے اس سے بغاوت۔ چنانچہ اس جاہلیت نے حاکمیت کی باگ ڈور انسان کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور بعض انسانوں کو بعض دوسرے انسانوں کے لیے اربابٌ من دون اللہ کا مقام دے رکھا ہے۔ اس سیدھی سادھی اور ابتدائی صورت میں نہیں جس سے قدیم جاہلیت آشنا تھی بلکہ اس طنطنے اور دعوے کے ساتھ کہ انسانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود افکار واقدار کی تخلیق کریں، شرائع و قوانین وضع کریں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لیے جو چاہیں نظام تجویز کریں اور اس سلسلے میں انھیں یہ معلوم کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے انسانی زندگی کے لیے کیا نظام اور لائحہ عمل تجویز کیا ہے؟ کیا ہدایت نازل کی ہے اور کس صورت میں نازل کی ہے؟ اس باغیانہ انسانی اقتدار اور بے لگام تصور حاکمیت کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ خلق اللہ ظلم وجارحیت کی چکی میں پس رہی ہے۔ چنانچہ اشتراکی نظاموں کے زیرِ سایہ انسانیت کی جو تذلیل ہو رہی ہے ، یا سرمایہ دارانہ نظاموں کے دائرے میں سرمایہ پرستی اور جوع الارضی (زمین کی بھوک) کے عفریت نے افراد و اقوام پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑ رکھے ہیں وہ دراصل اُسی بغاوت کا ایک شاخسانہ ہے، جو زمین پر خدا تعالی کے اقتدار کے مقابلے میں دکھائی جارہی ہے۔ اللہ تعالی نے

انسان کو جو تکریم اور شرف عطا کیا ہے انسان اسے خود اپنے ہاتھوں پامال کر کے نتائجِ بد سے دوچار ہے۔

اسلام اور جاہلیت کا اصل اختلاف!

اس بارے میں صرف اسلامی نظریہ حیات ہی منفرد خصوصیت کا علم بردار ہے۔ اسلامی نظام حیات کے سوا آپ جس نظام کو بھی لیں گے آپ دیکھیں گے کہ اس میں انسان دوسرے انسانوں کی کسی شکل میں عبودیت کرتا نظر آتا ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس میں انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کی عبودیت سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کی عبودیت اور بندگی کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے، صرف اللہ کی بارگاہ سے رشد و ہدایت کی روشنی حاصل کرتا ہے اور اسی کے آگے سر افگندہ ہوتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں اسلام اور غیر اسلامی طرزِ حیات کی راہیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ یہ ہے وہ نیا اور نرالا تصور زندگی جسے ہم انسانیت کی خدمت میں آج پیش کر سکتے ہیں۔ یہ تصور انسانی زندگی کے تمام عملی پہلوؤں پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ یہی وہ نادر خزانہ ہے جس سے آج انسانیت محروم ہے۔ اس لیے کہ مغربی تہذیب اس سلسلہ میں بانجھ ہے، اور یورپ کی حیران کن تخلیقی صلاحیتیں بھی۔ خواہ وہ مغربی یورپ ہو یا مشرقی یورپ، اس خزانے تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔۔ یہ بات ہم پورے دعوے سے کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسے نظامِ حیات کے داعی ہیں جو نہایت درجہ کامل اور ہر لحاظ سے منفرد اور ممتاز ہے۔ پوری نوعِ انسانی ایسے گنجِ گراں مایہ سے خالی ہے۔ دیگر مادی مصنوعات کی طرح وہ اِسے ''پیدا'' کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے، اس نظامِ نو کی خوبی اس وقت تک نمایاں نہیں ہو سکتی، جب تک اسے عمل کے قالب میں نہ ڈھالا جائے گا۔ پس یہ ضروری ہے کہ ایک امت عملاً اپنی زندگی اس کے مطابق استوار کر کے دکھائے۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کسی ایک اسلامی ملک میں احیائے دین کی مہم کی طرح (منصوبہ بندی) ڈالی جائے۔ احیائے نو کی یہی وہ ناگزیر کوشش ہے، جو طویل یا مختصر مسافت کے بعد، بالآخر انسانی امامت و قیادت کے قبضہ پر منتج ہوگی۔

احیائے دین کا کام کیسے ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احیائے اسلام کی مہم کا آغاز کس طرح ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ پہلے ایک ہراول دستہ وجود میں آئے جو اس کارِ عظیم کا عزمِ صمیم لے کر اٹھے۔ اور پھر مسلسل منزل کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جائے۔ اور جاہلیت کے اس بے کراں سمندر کو چیرتا ہوا آگے کی جانب رواں دواں رہے جسکی لپیٹ میں پوری دنیا آچکی ہے۔ وہ اپنے سفر کے دوران میں اس ہمہ گیر جاہلیت سے یک گونہ الگ تھلگ بھی رہے اور یک گونہ وابستہ بھی۔ یہ ہراول دستہ جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے ضروری ہے کہ اسے اپنے راستے کے نقوش اور سنگ ہائے میل پوری طرح معلوم ہوں، جنہیں دیکھ کر وہ اپنی مہم کے مزاج و طبیعت، اپنے فرض کی حقیقت و اہمیت، اپنے مقصد کی کنہ اور اس سفر طویل کا نقطہ آغاز پہچان سکے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے یہ بھی شعور حاصل ہونا ضروری ہے کہ اس عالم گیر جاہلیت کے مقابلے میں اسکا موقف کیا ہے؟ کس کس پہلو میں وہ دوسرے انسانوں سے ملے، اور کس کس مقام پر ان سے جدا ہو؟ وہ خود کن خوبیوں اور صلاحیتوں کا حامل ہے؟ اور اردگرد کی جاہلیت کن کن خصوصیات و خصائل سے مسلح اور لیس ہے؟ نیز وہ اہل جاہلیت کو کیسے اسلام کی زبان میں خطاب کرے اور کن کن مسائل و مباحث میں خطاب کرے؟ اور پھر اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ان تمام امور میں کہاں سے اور کیسے رہنمائی حاصل کرے؟ ان نقوشِ راہ اور سنگ ہائے میل کا تعین اور تشخص اسلامی عقیدہ کے ماخذِ اولین کی روشنی میں ہوگا۔ ماخذ اولین سے ہماری مراد قرآن حکیم ہے۔ اس کتاب کی بنیادی تعلیمات ان نقوشِ راہ کی نشاندہی کریں گی۔ یا پھر وہ تصور اس بارے میں راہ نمائی کریگا، جو قرآن حکیم نے اس پاکیزہ و برگزیدہ جماعت کے دلوں پر نقش کر دیا تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر اپنی حکمت و قدرت کے محیر العقول کرشمے دکھائے اور ایک مرتبہ تو اس جماعت نے تاریخ انسانی کا دھارا بدل کر اس رخ پر موڑ دیا جو مشیتِ خداوندی کو مطلوب و مقصود تھا۔

(مصنف رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: کہ یہ خیالات بظاہر آپکو بے جوڑ اور منتشر معلوم ہونگے، مگر ایک بات ان سب میں مشترک ملے گی، اور وہ یہ کہ یہ خیالات ''معالم فی الطریق'' (نشانِ راہ) ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اسلامی نظریہ اور اسلامی تنظیم کے بنیادی خدّ وخال بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی پوری اسکیم جس بنیادی نقطہ پر مرکوز ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح اسلام کے صدر اوّل میں اسلامی معاشرہ ایک مستقل اور جداگانہ معاشرہ کی صورت میں ترقی و نمو کے فطری مراحل طے کرتا ہوا بامِ عروج کو پہنچا تھا اسی طرح آج بھی ویسا صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کے لئے اسی طریق کار کو اختیار کیا جانا لازم ہے۔ اس اسلامی معاشرے کو اِرد گرد کے جاہلی معاشروں سے الگ رہ کر اپنا تشخص قائم کرنا ہوگا۔ لیکن مصری حکام نے سیّد قطبؒ کی اس صحیح اسلامی دعوت کو یہ معنی پہنائے کہ اس میں حکومت وقت کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لئے لوگوں کو اکسایا گیا ہے۔ بالآخر ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء کو مصر کی عوامی عدالت کی طرف سے سیّد قطب کو ۱۵ سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ ان پر مقدمہ چلا اور اسی کتاب کے مختلف اقتباسات سے ان پر فردِ جرم عائد کیا گیا۔ بالآخر ۲۵/اگست ۱۹۶۶ء کی صبح انہیں انکے دو ساتھیوں سمیت پھانسی دیدی گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انکی شہادت کو قبول فرمائے) (آمین)

مسئلہ سود

سود کو اسلام ہی برا نہیں کہتا بلکہ یونان کا ارسطو بھی، روما کے مقنن بھی، ہندو اور یہودی مصلح بھی۔۔۔!

''لوگوں کی بڑی تعداد مقروض پیدا ہوتی ہے۔ مقروض زندگی بسر کرتی اور مقروض مرتی ہے''

''اس کا اثر نہ صرف سود خور یا اس کے خاندان پر پڑتا ہے بلکہ اس کا اثر پوری قوم وملت کی معاشی زندگی پر پڑتا ہے''

معاشیات کے قدیم اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک سود کا مسئلہ بھی ہے۔ ''اکثر معاشی مسائل نے تو گذشتہ دو تین صدیوں میں جنم لیا ہے۔ لیکن سود کے بحث ومباحثہ کا اس قدیم ترین زمانے تک پتہ چلتا ہے جس کا جدید تحقیقات سے ہم کو کافی تاریخی حال معلوم ہو سکا ہے۔ مصر، یونان، روم اور ہندوستان جیسے قدیم مذاہب والے ممالک میں عہد عیسوی سے بھی مدتوں پہلے سود کے متعلق قواعد وقوانین جاری تھے۔ توریت، انجیل، قرآن مجید اور وید جیسی مذہبی کتابوں میں سود کے متعلق تاکیدی احکام موجود ہیں۔ ارسطو وافلاطون جیسے قدیم حکماء کی تصانیف میں بھی تحقیقی سود کی جھلک صاف نظر آتی ہے''۔ اور آج بھی بہت سے دماغ سود کی تحقیق وتشریح میں مصروف ہیں۔ عام طور پر یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مسئلہ سود کے بارے میں تمام معاشیین متفق ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہابرلر نے لکھا ہے کہ ''ایک طویل زمانے سے سود کا نظریہ علم معاشیات کی ایک دکھتی رگ بنا ہوا ہے۔ شرح سود کی تشریح اور تعین کے بارے میں معاشیین میں اس قدر اختلاف ہے کہ اتنا اختلاف نظری معاشیات کے کسی دیگر شعبہ میں نہیں ہے''۔ سود کا مسئلہ بہت پرانا ہے، تاریخ کی ابتداء سے آج تک مختلف معاشیین نے مختلف زبانوں میں سود کے متعلق نظریے پیش کیے ہیں۔ سود کو اسلام ہی برا نہیں کہتا بلکہ یونان کا ارسطو بھی، روما کے مقنن بھی، ہندو اور یہودی مصلح بھی اور سب سے عجیب یہ کہ جدید ترین رجحانات ۔۔۔ کیمرج اور امریکہ کے پروفیسرز یہ سب کے سب سود کی حرمت کے قائل ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ کس طرح اسلامی نظریے کو سود کے تمام مروجہ نظریوں پر فوقیت ہے اور کیونکر موجودہ معاشی تخیل رفتہ رفتہ اسلامی نظریے کی طرف پلٹ رہا ہے۔ سود کو عربی میں رباء کہتے ہیں ''چونکہ اسلامی شریعت میں رباء (سود) کا مسئلہ اہم ہے اور ان قیود کی اصل بناء ہے جو معاہدوں کی آزادی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اس لیے اس کا پورے طور سے اندازہ کرنا ضروری ہے''۔

لفظِ رباء کی حقیقت

رباء عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لفظی معنٰی زیادتی کے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ ''اربی فلان علی فلان'' (فلاں شخص نے فلاں شخص کو زیادتی دی) مذکورہ معنوں میں بھی رباء کا لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے مثلاً ''وتری الارض هامدة ،فاذاانزلنا علیها الماء اهتزت و ربت و انبتت من کل زوج بهیج'' (الحج؛۵) ''اور تو زمین سوکھی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو وہ تازہ ہو جاتی ہے۔ اور ابھرتی ہے۔ اور بھانت بھانت کی پر رونق چیزیں اُگتی ہیں۔ یا مثلاً ''ان تکون امة هی اربی من امة'' (النحل؛۹۲) ''تاکہ ایک امت دوسری امت سے زیادہ آگے ہو''

اس معنٰی میں حدیثوں میں بھی رباء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ غرض رباء کے لفظی معنی تو زیادتی بڑھوتری کے ہیں لیکن معاشیات کی اصطلاح میں رباء اس زائد رقم کا نام ہے جو قرض خواہ اپنے مقروض سے مہلت کے معاوضے میں وصول کرتا ہے۔ چنانچہ مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ؛ ''الرباء یعنی الزیادة التی یزاد رب المال بسبب

"زیادۃ غریمہ فی الاجل وتاخیرہ دینہ علیہ" رباء وہ زیادتی ہے جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو مزید مہلت دے کر اپنے قرض کی وصولی میں تاخیر کرتا ہے۔"ابوبکر بن العربیؒ صاحبِ احکام القرآن لکھتے ہیں۔کہ"رباء ایسی زیادتی کا نام ہے جس کے مقابلے میں مال کا عوض نہ ہو۔"اسی طرح امام رازیؒ بیان کرتے ہیں کہ؛مال پر زیادتی طلب کرنے کو رباء کہتے ہیں۔"انگریزی کتابوں میں جو فقہ اسلامی سے متعلق لکھی گئی ہیں رباء کا ترجمہ"یوژری"اور"انٹرسٹ"کیا گیا ہے۔

جاہلی عرب میں سودی لین دین؛

ہوتا یہ تھا کہ"جب ایک شخص کے دوسرے پر ایک معین میعاد کے وعدے پر سود رہم واجب الاداء ہوتے ہیں تو مدت کے گزرنے کے وقت اگر مقروض قرضہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو قرض خواہ مقروض سے کہتا کہ اصل مال پر زیادتی کر دے میں مدت میں توسیع کر دوں گا۔چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ قرض خواہ سو درہم کے دوسو درہم کر لیتا اور جب دوسری مدت بھی گزر جاتی تو قرض خواہ پھر ویسا ہی کرتا (یعنی اصل مال پر اور زیادہ کر دیتا) پھر بڑی مدت تک ایسا ہی ہوتا رہتا۔اور قرض خواہ ان سو درہموں کے بدلے کئی گنا زیادہ لے لیتا۔ایک طرف تو یہ غریب طبقہ تھا جو غیر منظم حالت میں تھا اور دوسری طرف مال دار طبقہ تھا جس نے سودی کاروبار کے لین دین کے لیے باقاعدہ شراکتی کمپنیاں بنائی تھیں۔کاشتکاروں کو بھی یہ لوگ سودی قرضہ دیتے تھے۔"جب کھجور توڑنے کا زمانہ آتا تو کھجور والا کہتا اگر تم اپنا پورا حق لے لو گے تو میرے بال بچوں کے لیے کچھ نہ رہے گا۔اگر تم نصف کھجور لو اور نصف میرے لیے چھوڑ دو تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور ادائی کے وقت پر اس سے زیادہ طلب کرتے۔" کسان اور دوسرا غریب طبقہ قرض کے جنجال میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ "وہ لوگ اک مدت ٹھہرا کر سود لیتے پھر مدت اور رقم میں زیادتی کرتے چلے جاتے یہاں تک کے مقروض کا سارا مال ایک تھوڑے سے قرض کے پیچھے تباہ و برباد ہو جاتا تھا"واقعات بتاتے ہیں کہ جاہلی عرب کے غریب طبقہ کی وہی حالت تھی جو آج ہندوستانی کسانوں کی حالت ہے۔ایک سرکاری کمیشن کا بیان ہے کہ"لوگوں کی بڑی تعداد مقروض پیدا ہوتی ہے۔مقروض زندگی بسر کرتی اور مقروض مرتی ہے بلکہ مرنے کے بعد اپنے وارثوں کے سر اپنا بوجھ ڈال جاتی ہے۔سود کس بات کا معاوضہ تھا؟ جو لوگ"سود"ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ان کے لیے قرض کی جو مدت مقرر کی جاتی تھی سود اسی کا معاوضہ تھا۔جدید معاشی اصطلاح میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ سود انتظار کشی کا معاوضہ تھا۔

قرآن مجید میں سود کی ممانعت؛

قرآن مجید نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو ممنوع قرار دیا ہے۔اور سود کے متعلق نہایت سخت اور قطعی احکام صادر فرمائے ہیں کہ**"احل اللہ البیع و حرم الربوا"**(البقرۃ،۲۷۵) "اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام" قرآن مجید نے بیع اور رباء کی حقیقت نہیں بیان کی بلکہ اس معاملہ میں مخاطبین کے رسم و رواج پر اکتفا کیا ہے کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔اور مقررہ مدت کے لیے سودی قرض دیتے تھے۔یہ شریعت کی اصطلاح میں رباء کے جو معنی ہم ابتداء میں بیان کر چکے۔فقہاء بیع کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسرے کے مال سے برضامندی بدلنا۔قرآن مجید نے سودخوروں کو سودخوری سے روکنے کے لیے ایسی سختی سے متنبہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں اور دوسرے مجرموں کو شاید ہی اس طرح مخاطب کیا ہو۔وجہ صاف ظاہر ہے کہ سودی لین دین کا اثر ہمہ گیر ہے اس کا اثر نہ صرف سودخور یا اس کے خاندان پر پڑتا ہے بلکہ اس کا اثر پوری قوم وملت کی معاشی زندگی پر پڑتا ہے۔قرآن مجید میں سودخوروں کو اس طرح خطاب کیا گیا ہے کہ یا تو اس معاشی جرم سے باز آجائیں، یا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ کریں۔**"یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم روس اموالکم لاتظلمون ولا تُظلمون و ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون"**(البقرۃ،۲۷۸، ۲۷۹) ترجمہ"مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو سود کی بابت جو مطالبہ لوگوں کے ذمہ ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو اصل رقم تم کو ملے گی نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔اور اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو (اصل قرضہ بھی) بخش دو۔تمہارے حق میں بہتر ہے۔"جس وقت رسول اللہ ﷺ معبوث ہوئے اہل عرب میں بہت سی عادتیں راسخ ہو چکی تھیں۔بعض عادتیں تو ایسی تھیں کہ ان سے قوم کے نشوونما میں کوئی ضرر نہیں پہنچتا لیکن کچھ عادتیں مضر تھیں۔اس لیے شارع (اللہ تعالیٰ) نے ان سے ان کو علیحدہ رکھنا چاہا، اس لیے اس نے اپنی حکمت سے آہستہ آہستہ ان کے لیے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال کے درجہ تک پہنچایا۔اس اصول کو پیشِ نظر رکھ کر جو بھی غور کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے حکم سے پہلا حکم باطل نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی تکمیل ہوتی ہے، یہی اصول سود کے بارے میں برتا گیا۔عرب میں سودخوری عام تھی سرمایہ داروں کا دعویٰ تھا کہ سود بھی ایک طرح کا لین دین ہے۔جس میں روپیہ کی تجارت ہوتی ہے چنانچہ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔کہ**"قالو انما البیع مثل الربوا"**"وہ کہتے تھے کہ سود تجارت ہی کی طرح ہے۔"عرب سرمایہ دار

اور یہودی ساہوکار عام طور پر سودی کاروبار کرتے تھے ۔حجاز کی منڈی خیبر ان ہی سرمایہ دار یہودیوں کے ہاتھ میں تھی ۔ابو رافع یہودی کو ''تاجر حجاز'' کا لقب دیا گیا تھا۔ یہ یہودی سرمایہ دار پختہ گڑھیاں بنا کر اس میں رہتے اور غریب طبقہ پر ظلم ڈھاتے تھے۔سود کے انسدادی سلسلہ میں پہلے پہل یہ بتایا گیا کہ سود کھانا یہودیوں کی عادت ہے جو کہ وہ ناحق لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔''واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ و اکلھم اموال الناس بالباطل''

واضح ہو کہ سود کی شرح نہایت گراں ہوا کرتی تھی۔اکثر سو درہم بطور قرض کے دیئے جاتے ،سال تمام ہونے پر اگر مقروض قرض ادا نہ کرتا تو دوسرے سال بجائے سو کے ساہوکار دو سو طلب کرتے اگر وہ پھر بھی ادا نہ کرتا تو تیسرے سال چار سو طلب کرتے اور یونہی ہر سال مدت گزرنے پر دوگنا ہوتا چلا جاتا ،یا مقروض ادا کر دیتا۔اور یہ سود در سود ''اضعافاً مضعۃ'' تھا جس سے مسلمانوں کو ابتداء میں روک دیا کہ ،ترجمہ ''مسلمانو! سود در سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ فلاح پاؤ'' (ال عمران: ۱۳۰)اس آیت کے نزول کے بعد بھی سودی کاروبار کچھ نہ کچھ باقی رہا۔ظاہر ہے کہ ''سود در سود '' کی ممانعت کی گئی تھی۔معمولی شرح کا سود ابھی ممنوع نہ ہوا تھا کیونکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک سودی کاروبار جاری رہا۔رسول اللہ ﷺ نے طائف کے باشندوں سے جو معاہدہ کیا اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ایک محدود مدت تک کے لیے سود کی اجازت دی گئی تھی۔پھر ہر قسم کے سودی کاروبار کی ممانعت کر دی گئی۔چنانچہ سود کی پوری تحریم کا جو ابتدائی حکم صادر ہوا وہ یہ ہے کہ ،ترجمہ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں تو وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح کہ شیطان سے لپٹا ہوا کوئی شخص حواس باختہ اٹھتا ہے۔یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت سود ہی کی طرح ہے۔حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام ، پھر جس نے اپنے رب کی نصیحت سن لی تو گیا گزرا ہوا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔لیکن جس نے دوبارہ سود لیا تو وہ دوزخی ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے،اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا''

(البقرۃ:۲۷۵) پھر یہ حکم ہوا کہ،''وما اتیتم من ربا لیربو ا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون ''(سورۃ روم)''اور جو تم سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے دیئے کو بڑھا رہے ہیں۔'' پھر نبوت کے آخری سال رسول کریم ﷺ نے قرآن کا یہ قطعی حکم سنا دیا کہ:''یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون'' (البقرۃ:۲۷۸،۲۷۹)

ترجمہ ''مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو سود کی بابت جو مطالبہ لوگوں کے ذمہ ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو اصل رقم تم کو ملے گی نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔اور اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو (اصل قرضہ بھی) بخش دو۔ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

سود کی پوری ممانعت کے احکام کا تعلق رسول کریم ﷺ کی زندگی کے آخری زمانے سے ہے۔چنانچہ عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ:''آخری آیت جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی وہ آیت ربا تھی۔''

(جاری ہے)

بقیہ: اسلام اور ہمارا معاشرتی بگاڑ

بدبختی اور نحوست کی اندھیری رات ۔(۴) پڑوسی کے حقوق، دکھ درد میں سانجھا پن،ایک دوسرے کے گھر اور عزت وحیاء کی چوکیداری کا ماحول۔۔۔اب نئے بسنے والے شہروں،کالونیوں اور ٹاؤنز میں ۔۔۔پڑوسی سے لاتعلق پڑوسی۔۔۔ پڑوسی کے حیاء اور عزت کا شکاری ۔۔۔دولت و حرص و ہوس کا پجاری نظر آنے لگا ہے۔

(۵) خاندانی رشتوں کی پختگی ۔۔۔مغرب کی تعلیمات کے زیر اثر ہونے کے بعد خواب و خیال بن گئی ہے۔ میاں اور بیوی کے باہمی سکون کی بجائے سڑکوں سے خواہشات کی تکمیل کی تمنا نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔۔

(۶) تعزیت و تیمارداری SMS فیس بک،ای میل کی نظر ہوگئی کہ حرص دنیا نے اسقدر وقت سمیٹ دیا کہ اللہ کی پناہ۔۔۔کسی کے گھر جا کر دو مسنون جملے بول کر دوسرے کو دلاسہ اور اپنے لیے مغفرت ربی کے دروازے بھی بند کروا بیٹھے۔۔(۷) ڈاکٹر اور حکیم کے لیے مریض شکار ہے۔دکاندار کے لیے گاہک شکار بن گیا ہے۔شرعی تجارت اور برکات قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔(۸) بچپنہ بے پرواہی کی گرد۔۔۔ جوانیاں لذتوں کی نظر۔۔۔بڑھاپے مایوسیوں کا رزق بننے لگے ہیں۔(۹) شادی میرج ہال میں ۔۔۔ بچہ ہسپتال میں۔۔۔میت کرائے کی بس پر۔۔۔تجہیز و تکفین مزدوروں کی نذر ہونے لگی ہے۔(۱۰) استاذ جیسا مشفق باپ۔۔۔ شاگرد سا باادب روحانی بیٹا۔۔۔ ٹیوشن سینٹروں کے انگاروں پر سلگ رہا ہے۔ہمارے معاشرے کے بگاڑ کی لامتناہی داستان اور اس ماحول کی اوٹ میں چھپے خودغرضی ، لالچ ،حرص و ہوس کے گھنے جنگلوں،سنگلاخ پہاڑوں، بیاباں صحراؤں پر نظر کیجیے۔ سوچیے اور خوب سوچیے۔۔۔آپکا مستقبل۔۔تابوت میں بند۔۔ایک بے حس وحرکت لاشے سے زیادہ ۔۔کسی اہمیت کا حامل ہے؟؟ بس اے میرے رب۔۔۔ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔!!! آمین

تقویٰ

مولانا طیب قاسمی رحمہ اللہ

ارتکاب جرائم کی وجہ یہ نہیں کہ اس دور میں پولیس اور فوج کی کمی ہے، بلکہ دلوں میں اللہ کا ڈر اور خوف باقی نہیں ہے!

"اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" جاؤ تم دنیا کے اندر، اور ایک دوسرے کی دشمنی تمہارے اندر ڈال دی گئی ہے!

یہ ہی وہ زندگی ہے جو آدمی کو جہنم سے ہٹا کر جنت میں ابدالآباد والی نعمتوں میں داخل کر دیتی ہے!

طریق سلف اور وصیت تقویٰ!

سلف صالحین یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت تابعین رحمہم اللہ کی یہ عادت رہی ہے کہ جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ کچھ نصیحت کیجیے۔ چھوٹے اپنے بڑوں سے نصیحت کی فرمائش کرتے تھے اور بڑے اپنے چھوٹوں سے نصیحت طلب کرتے تھے عام طور سے سلف کی یہ نصیحت ہوتی تھی کہ "اُوصِیکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ" میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ ہی سلف کا عام جواب ہوتا تھا اسی مناسبت سے میں نے یہ آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے مشکلات میں ایسے راستے کھولتا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا ہے، مشکل میں پھنسا ہوا ہے، ہر طرف سے راستے بند ہیں، غیب سے سامان ہوتا ہے اور راہ نکل آتی ہے اور وہ مشکلات سے نکل جاتا ہے۔

نتیجہ تقویٰ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا" تقوی پر مرتب شدہ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات میں اس کے کام آتے ہیں۔ اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ "وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" حق تعالیٰ اس کو ایسے انداز سے رزق دیتے ہیں کہ اسے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا ہے کہ میرا رزق یہاں سے پہنچ جائیگا اور پہنچتا ہے وہیں سے۔ تیسرا وعدہ یہ فرمایا ہے "وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ" کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور چوتھا ثمرہ اور نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے "وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا" اللہ اس کے اجر وثواب کو بہت بڑھا دیتا ہے۔ تو تقویٰ اختیار کرنے پر ان آیات میں چار وعدے دیئے گئے ہیں۔ مشکلات میں راستہ کھول دینا، رزق بے شان وگمان پہنچانا، معصیت کا کفارہ کر دینا، اجر وثواب کو بڑھا دینا۔

تقویٰ اور اس کے اثرات! ۔ایک معنیٰ تو لغت میں ہے تقویٰ کے! ڈرنے کے اور خوف کے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور خوف وخشیت اختیار کرو۔ کسی حالت میں بے فکر ہو کر مت بیٹھو، خواہ دولت مند ہو خواہ مفلس ہو ہر حالت میں اللہ کا ڈر انسان کو رہنا چاہیے۔ اگر غور کیا جاوے تو جتنے بھی جرائم اور معصیتیں ہیں وہ اللہ کے ڈر سے ہی ختم ہوتی ہیں۔ جرائم کو نہ پولیس روک سکتی ہے نہ فوج روک سکتی ہے اور نہ ہتھیار روک سکتے ہیں، جب تک کہ دل میں ڈر اور خوف خداوندی نہ ہوگا آدمی جرائم سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر محض پولیس اور فوج کی طاقت سے جرائم بند ہو جایا کرتے تو آج کی دنیا سب سے زیادہ متقی ہوتی۔ اس لیے کہ نہ آج فوجوں کی کمی ہے اور نہ پولیس کی کمی ہے اور نہ ہتھیاروں کی بلکہ آج کل ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں کہ دنیا نے کبھی دیکھے بھی نہ ہونگے توپیں بھی ہیں بم بھی ہیں غرض ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں جن کے اثرات دور دور تک جاتے ہیں۔ ایک بم سے لاکھوں آدمی ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر ان ذرائع سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا اور جرائم مٹ سکتے تو آج دنیا میں کوئی جرم باقی نہیں رہتا، سب کے سب متقی اور پرہیزگار ہوتے۔ لیکن جتنی پولیس بڑھتی جاتی ہے اور جتنی فوج اور ہتھیار بڑھتے جاتے ہیں اس سے دگنے جرائم بڑھتے جاتے ہیں اور عام طور سے دنیا میں فسق وفجور، مار دھاڑ اور بد امنی، بد نیتی اور فسادات عام ہوتے جا رہے ہیں۔ ارتکاب جرائم کی وجہ یہ نہیں کہ اس دور میں پولیس اور فوج کی کمی ہے، بلکہ دلوں میں اللہ کا ڈر اور خوف باقی نہیں ہے۔ اگر یہ ہو تو آدمی کو ارتکاب جرائم کی ہمت ہی نہیں ہوگی۔ خواہ وہاں پولیس ہو یا نہ ہو۔ جو پھر چاہے تنہائی میں بھی ہو وہاں بھی گناہ سے بچے

گا۔مثلاً آپ کے سامنے لاکھوں روپے کا خزانہ رکھا ہوا ہے اگر آپ اٹھا کر لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں کیونکہ وہاں نہ پولیس ہے نہ فوج ہے مگر آپ اسے نہیں اٹھاتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کا ڈر دل میں گھر کیے ہوئے ہے، کہ میں نے اگر ایسا کیا تو اللہ کے سامنے قیامت کے دن کیا جواب دوں گا جب پوچھا جائیگا کہ تو نے غیر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا ہے؟ تو سب سے بڑی پولیس جو دلوں پر بیٹھی ہوتی ہے وہ خوف خداوندی ہے۔ وہی تمام جرائم سے بچانے والی ہے اور معصیت سے روکنے والی ہے ورنہ دنیا میں کوئی صورت نہیں ہے جرائم سے روکنے کی اور جرائم سے بچنے کی۔ اسلام نے آخرت کا جو عقیدہ پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو ہر وقت یہ تصور ہے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی پڑیگی اور ہر شخص سے اللہ تعالی پوچھیں گے کہ زندگی کس طرح سے گزاری؟ اس کا جواب دینا پڑیگا۔ تو یہ عقیدہ ایسا ہے کہ جس سے انسان حرکاتِ ناشائستہ سے رک سکتا ہے۔ اسی عقیدے کی وجہ سے دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے اور ہر شخص ارتکاب جرائم سے بچ سکتا ہے اور کوئی صورت ایسی نہیں جس کے اختیار کرنے سے جرائم سے بچ سکے

جبلی طور پر انسان میں اخلاق رذیلہ ہیں!

جبلی طور پر انسان درندہ واقع ہوا ہے، مارکاٹ، چیر پھاڑ، اسکا خاصہ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور حضرت حوا علیہا السلام بھی اتریں تو فرمایا "اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" جاؤ تم دنیا کے اندر، اور ایک دوسرے کی دشمنی تمہارے اندر ڈال دی گئی ہے۔ اور اس لیے انسان ایک دوسرے کا دشمن بھی ہے اور برا چاہنے والا بھی ہے۔ اس کے قلوب میں کہیں حرص رکھی گئی ہے، کہیں بغض رکھا گیا ہے، کہیں حسد رکھا گیا ہے، کہیں تکبر رکھا گیا ہے۔ ان اخلاقِ رذیلہ کی بنا پر جب آدمی حریص ہوگا تو دوسرے کے مال پر نگاہ ڈالے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کریگا پھر اسے جائز و ناجائز کی پرواہ نہ ہوگی۔ چوری ڈکیتی کچھ بھی ہو بے تحاشا کریگا اس لیے کہ اس کے اندر حرص کا مادہ موجود ہے اور اگر انسان میں حسد کا مادہ موجود ہے تو وہ اپنے کسی بھائی کو بڑھتا ہوا دیکھنا نہیں چاہے گا۔ دنیا میں کوئی عزت کے اعتبار سے ذرا بڑھا تو دلوں میں حسد شروع ہوجاتا ہے کہ یہ کیوں بڑھ گیا۔ لوگ اس پر تو غور نہیں کرتے کہ اس نے اپنی صلاحیتیں استعمال کیں اس وجہ سے اللہ تعالی نے اسے بڑھادیا ہم بھی وہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ مگر یہ نہیں ہوتا بلکہ ہوتا یہ ہے کہ یہ ترقی و مراتب اس کے پاس نہ رہیں چاہے مجھے ملیں یا نہ ملیں۔ یہ حسد کا خاصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کو زائل ہوتا دیکھ کر خوش ہو چاہے خود بالکل محتاج اور مفلس کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی تکبر، طمع، لالچ وغیرہ ہیں ان اشیاء رذیلہ پر اگر بریک لگانے والی کوئی چیز ہے تو وہ تقوی اور خوفِ خداوندی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سوائے مار دھاڑ اور ڈکیتی ڈالنے کے اور کیا کریگا۔ تو اس سے دنیا میں ایک عجیب انارکی پھیل جائیگی یہ اخلاق عام ہیں اور یہ انسان کی جبلت ہے۔ اس لیے حق تعالی نے اپنا قانون اتارا کہ ان چیزوں سے بچ کر زندگی گزارو۔

اخلاق رذیلہ کے بجائے اخلاق حسنہ اختیار کرو!

اس لیے حکم ہے کہ حسد ختم کرو اور ایثار اختیار کرو۔ اگر اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ دولت ملی ہے تو اس میں اتنے ہی خوش ہو جیسے کہ یہ دولت مجھے ہی مل گئی اور یہ سمجھو کہ وہ میری ہی دولت ہے اگر کسی کو عزت ملی ہے تو یہ سمجھو کہ یہ میری عزت ہے اگر خدانخواستہ یہ ذلیل بنا تو یہ میری ذلت ہے۔ یہ جذبہ دین نے پیدا کیا ہے کہ حسد کو چھوڑ کر ایثار اختیار کرو۔ لالچ چھوڑ کر قناعت اختیار کرو، کہ جتنا تمہیں اللہ نے دیا ہے اس پر خوش رہو، شکر کرتے رہو، اللہ تعالی اسے بڑھادیگا۔ اسی طرح کبر سے بچا کر دین نے تواضع کی تعلیم دی ہے کہ خاکساری برتو۔ ہر ایک کے سامنے چھوٹے بن کر پیش ہو کہ بڑے تم ہو میں چھوٹا ہوں۔ لڑائی دنگا جب بھی ہوتا ہے تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور قاعدہ ہے کہ دو بڑے ایک جگہ نہیں سما سکتے یقینا ایک گھٹے گا ایک بڑھے گا ایک ختم ہوگا ایک آگے چلے گا۔ لیکن جب ہر ایک یہ سمجھے گا کہ میں بڑا نہیں، بڑا تو وہ ہے۔ جو یہ کہے کہ میں بڑا نہیں یہ بڑا ہے۔ تو پھر لڑائی جھگڑا کس چیز کا ہوگا؟! اس لیے امن وامان کا ذریعہ تواضع اور خاکساری ہے اور لڑائی جھگڑوں کا سبب تکبر اور نخوت ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان میں موجود ہیں ان کا علاج اگر کیا ہے تو دین نے کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر اسکی تعلیم دی اس کے طریقے بتلائے ہیں کہ اگر یہ طرز اختیار کروگے تو تکبر زائل ہوگا اور اور یہ طرز اختیار کروگے تو تمہاری حرص زائل ہوجائے گی اور یہ طریقہ اختیار کروگے تو تمہارا حسد ختم ہوجائیگا یہ تمام طریقے دین کے بتلائے ہوئے ہیں۔

ایمان کا مدار دو بنیادیں ہیں!

یہ دو بنیادی باتیں ہیں، ایک دل میں اللہ کا ڈر دوسرے آخرت کے عقیدے میں مضبوطی اور پختگی کہ جو کچھ دنیا میں کر رہا ہوں وہاں جا کر مجھے جواب دینا ہے اور حق تعالی کے پاس ایک ایک چیز کا حساب ہوگا حتیٰ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سردیوں میں گرم پانی نعمت ہے اس کا بھی احسان جتلایا جائے گا کہ ہم نے سردی میں گرم پانی دیا تم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ گرمیوں میں ٹھنڈا پانی نعمت ہے اس کا حساب ہوگا کہ تم نے اس ٹھنڈے پانی کو استعمال کر کے کیا شکریہ ادا کیا؟ وہاں ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ تمہیں اتنی عمر دی تھی تم نے کاہے میں صرف کی؟ تمہیں اتنی دولت دی گئی تھی تم نے اس کو کاہے میں صرف کیا؟ تو سب چیزوں کو الگ الگ پوچھا جائیگا۔ یہ نہیں کہ سارے بنی آدم سے مشترکہ طور پر سوال ہوگا اور وہ سب مل کر جواب دیں گے۔ نہیں۔ بلکہ اس کی پوری زندگی سامنے کردی جائیگی اور پھر اسی کے مطابق حساب و کتاب ہوگا۔ یہ عقیدہ جب ایک

مومن کے دل میں جما ہوا ہے تو وہ جرأت وہمت نہیں کرسکتا ہے خیانت کی، بددیانتی کی اور جب بھی یہ حرکت کریگا تو معلوم ہوگا کہ عقیدے میں ڈھیلا پن آگیا ہے، وہ عقیدہ دل میں چھپ گیا ہے سامنے نہیں رہا ہے لیکن اگر سامنے ہو تو پھر یقینا جرأت نہیں ہوگی اور اگر کر ہی گزرے تو پھر جلدی سے توبہ کی توفیق ہوگی اور ندامت ہوگی کہ میں نے بہت بری حرکت کی ہے اس کے نتیجے میں توبہ کریگا استغفار کریگا۔ یہ ندامت، توبہ واستغفار اسی وجہ سے ہے کہ یہ دو بنیادیں اس کے دھن میں ہیں۔

تقویٰ انسدادِ جرائم کا ذریعہ ہیں!

تقوی کے ایک معنی ہیں ڈرنے کے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ ہی گویا جرائم سے انسداد کا طریقہ ہے۔ تقویٰ کے دوسرے معنی ہیں احتیاط، کہ آدمی محتاط زندگی بسر کرے جس میں بڑے جرائم سے بچنے کے لیے چھوٹے جرائم کو چھوڑ دے۔ حرام سے بچنے کے لیے مکروہ کو چھوڑ دے۔ کہ اگر میں نے مکروہ فعل کیا تو ممکن ہے کل کو فعلِ حرام کروں اور مکروہ سے بچنے کے لیے بعض مرتبہ جائز چیزیں بھی ترک کردینی پڑتی ہیں، کہ ایسا نہ ہو کہ جائز (گنجائش) میں گھر گھرا کر مکروہ میں مبتلا ہوجاؤں۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام سدِّ ذرائع یعنی ذرائع اور وسائل کو ترک کردو تاکہ ناجائز مقاصد تک پہنچنے نہ پاؤ اور پہلے ہی رک جاؤ۔ مثلاً زنا کاری ایک فعل خبیث ہے اور حرام ہے۔ اس سے بچانے کے لیے فرمایا گیا کہ اجنبی عورت پر نگاہ بھی مت ڈالو۔ اجنبی عورت سے خلوت بھی مت اختیار کرو۔ اجنبی عورت کی آواز پر کان مت لگاؤ۔ یہ ساری چیزیں سدِّ ذرائع ہیں جو ان چیزوں میں پڑا تو اندیشہ ہے کہ مبتلا ہوجائے گا۔ اصل میں گناہ سے بچانے کے لیے شریعت نے یہاں سے روکنا شروع کیا کہ نگاہ ہی مت ڈالو، کان ہی مت لگاؤ۔ اور اگر عورت خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اپنی ناک کو موڑ لو۔ گویا ہم خوشبو نہیں سونگھ رہے ہیں کیونکہ بعض دفعہ خوشبو ذریعہ بنتی ہے خیال کے متوجہ ہونے کا۔ یہ ہے احتیاط جسے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر عورت وضو کرے اور اس کا بچا ہوا پانی لوٹے میں موجود ہے اس سے وضو مت کرو دوسرا پانی لو۔ اس لئے کہ اس کے بچے ہوئے پانی سے دھیان جاسکتا ہے کہ یہ فلاں عورت کا وضو ہے اس خیال کو اگر ادھر متوجہ کردیا جائے تو اندیشہ ہے کہ دل کے اندر فتنہ پیدا ہوجائے۔ اس لئے شریعت نے احتیاط کی رو سے حکم دیا کہ تم اس پانی کو چھوڑ دو نیا پانی الگ لو۔ کیوں اپنے خیال کو گندہ کرتے ہو کہ خیال گندہ ہوا تو ارادہ گندہ ہوگا اور ارادہ گندہ ہوگا تو فعل ناپاک ہوجائے گا اس لئے شروع اور ابتدا ہی سے بچتے ہیں۔ زنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ جو ابتدائی وسائل ہیں ان کو صغیرہ گناہ کہتے ہیں اور صغیرہ گناہوں سے اس لئے بچایا گیا ہے کہ کبیرہ تک نہ پہنچنے پائے یہ احتیاط کی زندگی ہے۔ چوری کے اندر جو اصل فعل ہے اور جس کی ممانعت ہے وہ یہ ہے کہ غیر کے مال کو بلا اس کی مرضی کے اٹھا لائے لیکن شریعت نے اس سے بچانے کے لئے ایک سلسلہ قائم کیا ہے کہ کسی کے گھر میں جاؤ تو اس کے سامان کو مت دیکھو ممکن ہے خیال پیدا ہو کہ آنکھ بچا کر اٹھالوں یہ تانک جھانک پیش خیمہ ہے، اور چوری انجام کار اور آخری فعل ہے۔ جو اصل میں ممنوع ہے اس سے بچانے کے لئے یہ لمبا سلسلہ قائم کیا ہے۔ ہاں اگر خود مالک ہی دکھلائے کہ مجھے اللہ نے یہ نعمت دی ہے تو آدمی شوق سے دیکھے اور دیکھ کر شکر یہ ادا کرے اور خوشی کا اظہار کرے گویا کہ یہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے ہمیں ہی دیا ہے لیکن از خود تانک جھانک کرنا یا یہ غور کرنا کہ کس مکان میں ہے مال۔ اور یہ دھیان جائے کہ اگر نقب لگاؤں تو یہاں سے مناسب رہے گا یا یہاں سے؟ یہ نقب لگانے کا دھیان اور تانک جھانک کرنا اور نگاہ ڈالنا صغیرہ گناہ ہیں۔ شریعت نے ان صغیرہ گناہوں سے روکا ہے تاکہ اصل گناہ جو کہ چوری ہے اس تک نہ جانے پائے، اسی کو کہتے ہیں سدِّ ذرائع۔ ذرائع اور وسائل پر پابندی، تاکہ اصل مقصد تک نہ پہنچنے پائے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے "مَنْ اَتٰی عَرَّافاً فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"۔ جو جادوگر کے پاس گیا اس نے کفر کیا شریعت محمدیہ کے ساتھ۔ حالانکہ جادوگر کے پاس جانا تو کوئی گناہ کی بات نہیں ہے نہ توحید میں کوئی فرق پڑتا ہے نہ عقیدہ رسالت میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ عقیدہ قیامت میں کوئی فرق پڑتا ہے تو پھر یہ کیوں کہا گیا کہ اس نے کفر اختیار کیا؟ یہ اس لئے کہا گیا کہ جو جادوگر کے پاس آتا جاتا رہیگا پہلا مرحلہ تو اس کے لئے یہ ہوگا کہ جادو کی برائی اس کے دل سے نکل جائیگی اور سمجھے گا یہ بھی ایک فن ہے جیسے دوسرے فن ہوا کرتے ہیں وہ جو پہلے اس کے دل میں جادو کی برائی گھسی ہوئی تھی کہ کفر کی بات ہے وہ کم ہوجائیگی اور جب اس کی برائی کم ہوئی تو چار دن کے بعد جادوگر سے کہیگا کہ ایک منتر مجھے بھی سکھلا دو۔ وہ سکھلا دے گا دس دن کے بعد کہیں گے بھائی منتر تو بہت اچھا ہے ایک اور منتر سکھلا دو۔ وہ ایک اور منتر سکھلا دے گا چند دن کے بعد سیکھتے سیکھتے جادوگر بن جائے گا اور کفر میں مبتلا ہوجائیگا۔ اس کفر سے بچانے کے لئے شریعت نے روکا ہے کہ جادوگر کے پاس ہی مت جاؤ، کہ جادو اور سحر سے دل میں نفرت نہ رہے اور پھر تم سیکھو اور جادوگر بنو اور کفر میں مبتلا ہو، یہ ہے سدِّ ذرائع۔ یا جیسے حدیث شریف میں آیا ہے "مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ" جس چیز کے زیادہ حصے میں نشہ ہے اس چیز کا کم حصہ بھی حرام ہے۔ اگر آدمی شراب کا ایک جام پئے گا تو نشہ ہوگا اس لئے اگر اسکا ایک قطرہ بھی چکھا تو حرام ہوگا حالانکہ ایک قطرہ میں نشہ نہیں ہوتا ہے مگر حرام اس درجے میں ہے جس درجہ میں پورا گلاس پینا۔ اس لئے کہ جس نے آج ایک قطرہ چکھا ہے وہ کل ایک گھونٹ بھی پئے گا اور جو کل ایک گھونٹ پئے گا وہ پرسوں کو ایک جام بھی پئے گا اور جس نے جام پی لیا وہ ترسوں کو شرابی بھی بن جائیگا، اس کی خباثت میں مبتلا ہوجائے گا۔ چونکہ شراب کو امّ الخبائث کہا گیا ہے کہ سارے گناہوں کی جڑ یہ نشہ اور شراب ہی

ہے۔اس سے بچانے کے لئے یہاں روک تھام شروع کی ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ یہ ہی ہے وہ سدِّ ذرائع کہ ابتدا میں جو ہلکی صورت ہے اسے بھی اختیار مت کرو تا کہ بری صورت تک نہ پہنچ سکو۔تو شریعت اسلام نے ایک سلسلہ کبائر کا رکھا ہے کہ یہ حرام ہے۔ مثلاً زنا کاری، چوری، بے ایمانی اور کچھ اس کے دواعی و اسباب ہیں ان تک کو روکا ہے تا کہ اصل مقصد تک پہنچنے نہ پائے۔ اب اگر تقوی کے لغوی معنی بھی مراد لئے جاویں یعنی ڈرنے کے، تو بھی اپنی جگہ درست ہے اس لئے کہ ڈر سے معاصی چھوٹ جاتی ہیں اور اگر تقوی سے احتیاط کے معنی لئے جاویں تو بدرجہ اولیٰ معصیت سے حفاظت ہو جائیگی کہ بعضے جائز چیزیں بھی چھوٹ جاتی ہیں پھر اس کے بعد آدمی کی زندگی پاک بن جاتی ہے۔ یہ ہی وہ زندگی ہے جو دنیا کی تمام آلائشوں اور گندگیوں سے پاک ہو جاتی ہے اور آدمی کو جہنم سے ہٹا کر جنت میں ابد الآباد والی نعمتوں میں داخل کر دیتی ہے اور آدمی کو اللہ کا مقرب بنا دیتی ہے مگر تقوی کے اس درجہ کا حصول موقوف ہے با دشاہِ حقیقی کے مرتبے کے معلوم ہونے پر۔

ہمارا تقویٰ !یہ محتاط زندگی والا تقویٰ تو بڑوں کا نصیب ہے ہم اور آپ جیسے بہت مشکل سے اس کی طرف جاسکیں گے کہ ناجائز سے بچنے کے لئے جائز چیزوں کو بھی ترک کر دیں یہ تو بہت اونچا مقام ہے مگر ابتدائی درجہ ہر ایک کے بس کا ہے کہ اللہ سے ڈرے اور ڈرنے کی صورت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اقتدار اور اس کے قبضے کو تصور میں لاتا رہے کہ وہ مالک ہے جس طرح چاہے کرے جب چاہے موت دیدے جب چاہے حیات دیدے۔ جب چاہے صحت دیدے جب چاہے بیماری مسلط کر دے جب چاہے امن دیدے جب چاہے بدامنی مسلط کر دے۔ اسی کی یہ قدرت ہے اور اسکی اس قدرت کا جب دھیان ہوتا ہے تو ڈر پیدا ہوتا ہے کہ میں بڑے قادر کے قبضے میں ہوں۔ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔تو آدمی حق تعالی کی عظمت و جلال کا تصور کرتا رہے اس سے ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی بالکل انجان اور جاہل محض ہے اسے کبھی بھی ڈر نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے بادشاہ کے اقتدار سے۔ ایک دیہاتی اگر بادشاہ کے دربار میں آئے تو وہ زیادہ نہیں ڈریگا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے کہ بادشاہ کے اختیارات کیا ہیں اس کا اقتدار کیا ہے؟ بادشاہ کو یوں ہی سمجھے گا کہ مجھ جیسا ایک آدمی ہے مگر وزیر اعظم تھرائیگا، کپکپائے گا اس لئے کہ وہ بادشاہ کے اختیار و اقتدار کو جانتا ہے، وہ آنکھیں نیچی رکھے گا۔ اِدھر اُدھر بھی نہیں دیکھے گا کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ میری گردن نہ ماردی جائے۔تو جسکو علم اور پہچان ہوگی باری تعالی کی بڑائی اور اقتدار کی اور اس کے جلال کی اسی کے دل کے اندر خوف پیدا ہوگا۔اور جو جاہل ہے اس کے دل کے اندر کچھ بھی نہ پیدا ہوگا۔ایک دلچسپ لطیفہ !بیان کیا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے مشاعرہ کی مجلس کی کہ شعراء آئیں اور اپنا اپنا کلام سنائیں اور اعلان کیا کہ جس کی نظم عمدہ ہوگی اسے انعام دیا جائے گا سینکڑوں شعراء نے نظمیں اور غزلیں لکھیں اور بہت بڑا دربار منعقد ہوا گاؤں کے ایک دیہاتی نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی کچھ ٹک بندی کر کے لے جاؤں تو مجھے بھی بادشاہ انعام دے گا تو چودھری صاحب بھی کچھ لکھ کر لائے وزیر اعظم صاحب نے دیہاتی آدمی سمجھ کر اسے بلایا اور پوچھا کہ تو کیا لایا ہے؟ اسے شبہ ہوا کہ پتہ نہیں کیا اناپ شناپ لکھ کر لایا ہوگا کہیں الٹا بادشاہ ناراض ہو کر اس کی گردن نہ ماردے اس بنا پر وزیر اعظم نے دیہاتی سے کہا کہ چودھری صاحب تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ مجھے بھی سنا دو اس نے کہا کہ اجی سن لو۔ چودھری صاحب نے وہ قطعہ سنایا۔قطعہ یہ تھا کہ: سب درکھت ماں بجرگ بڑ۔ ہرے ہرے پتوں میں لال لال پھل۔یعنی سارے درختوں میں جو بڑا درخت ہے وہ بڑ کا درخت ہے جسکی داڑھی اور چھالیں لٹکتی رہتی ہیں اور اسکے سبز سبز پتے ہوتے ہیں اور سرخ سرخ پھل ہوتے ہیں گویا یہ قطعہ کہا اور اس قطعہ کے اخیر میں تھا کہ، اکبر بادشاہ گیدی خر یعنی اکبر بادشاہ حرامزادہ ہے۔ یہ سن کر وزیر اعظم تو کانپ گیا کہ اس کمبخت نے خود بھی جان کھوئی اور مجھے بھی پٹوائے گا۔تو خیر وزیر اعظم نے کہا کہ چودھری صاحب: شعر بڑے عمدہ ہیں مگر یہ جو اخیر کا شعر ہے (اکبر بادشاہ گیدی خر) یہ نہ لکھو اس نے کہا اور کیا لکھوں وزیر اعظم نے کہا یہ لکھو کہ اکبر شاہِ بحر و بر۔یعنی اکبر بحر و بر کا بادشاہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ بڑا اونچا بادشاہ ہے۔اس نے کہا جی اچھا کہہ دونگا مشاعرہ شروع ہوا شعراء نے اپنی اپنی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ اعلان ہوا کہ چودھری صاحب بھی ایک قطعہ پڑھیں گے۔ چودھری صاحب نے کھڑے ہو کر ایک قطعہ پڑھا کہ۔ سب درکھت ماں بجرگ بڑ، ہرے ہرے پتوا لال لال پھل، اکبر شاہ بحر و بر۔ اکبر نے کہا چودھری صاحب مصرعہ تو بہت عمدہ ہے مگر یہ جو اخیر کا مصرع ہے۔ اکبر شاہِ بحر و بر۔ یہ بہت برا مصرع ہے۔ اکبر سمجھ گیا کہ یہ مصرع اس کا نہیں ہے یہ اس کو کسی نے بتایا ہے تو چودھری صاحب نے وہیں کھڑے کھڑے وزیر اعظم کو ماں کی گالی دیکر کہا کہ اس حرام زادے نے کہا تھا کہ اس طرح کہنا ورنہ میں تو یوں لکھ کر لایا تھا' اکبر بادشاہ گیدی خر۔ اکبر بادشاہ نے کہا یہ بہت عمدہ ہے وہ ٹھیک نہیں تھا چودھری نے کہا کہ جی ہاں میرا تو یہ ہی مصرعہ ہے پھر اس کو بادشاہ کی طرف سے بہت انعام واکرام ملا۔اس نے یہ مصرعہ 'اکبر بادشاہ گیدی خر' کیوں کہا تھا؟ اس لئے کہ وہ دیہاتی ہے نہ اکبر کے جاہ و جلال سے واقف اور نہ اسکی عظمت و اقتدار سے واقف، فقط ایک دیہات کا رہنے والا ہے تو دیہاتی لوگ بیچارے بالکل سادہ ہوتے ہیں۔ ان میں چھل، مکر و فریب، دغابازی، دھوکہ دہی کچھ نہیں ہوتی ہے۔ سادہ زندگی ہوتی ہے جو دل میں آیا بے تکلف کہہ دیا۔

باقی ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں

طنز و مزاح پر مبنی ترقی پسند کی روئیداد

سرمد صدیقی کے قلم سے

میرا خاندانی پس منظر تو کچھ اچھا نہ تھا۔ بہت کوشش کے باوجود بھی اس پس منظر سے جان چھڑانا میرے لیے مشکل رہا ہے۔ میرے دادا حضور اور والد محترم حافظ صاحب اور مولوی صاحب تھے۔ لوگ اب بھی مجھے ملاّ کی اولاد سمجھتے ہیں حالانکہ ابا جی کی شکل اور پر تکلف اسلامی زندگی کی کوئی ایسی نشانی میں نے اپنے قریب پھٹکنے بھی نہیں دی۔ ابا جی پگڑی باندھا کرتے تھے اور میں ہیٹ لگاتا ہوں۔ کبھی کبھی پی کیپ اور کبھی صرف ہالی وڈ سپر سٹارز کے ہیر اسٹائل کو لیتا ہوں۔ ابا اور دادا جی صبح سویرے داڑھی پر تیل اور کنگے شیشے کے چکر میں ہوتے تھے، میں تو سیفٹی بلیڈ سے اس جھنجٹ سے (نعوذ باللہ) جان چھڑوا لیتا ہوں۔ ابا جی اور دادا حضور تو کھلے کپڑے کرتہ قمیض پہنتے تھے۔ جب مجھے وہ منظر دکھائی دیتا ہے تو قے سی آنے لگتی ہے۔ میں اسکن ٹائٹ لباس کا عادی ہوں۔ اسی پر راضی ہوں۔ ابا جی اور دادا کا کیا بتاؤں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ میں تو ایجی سن ہو آیا ہوں۔ مسجد کبھی کبھار نہ چاہتے ہوئے بھی معاشرتی رکھ رکھاؤ کے لیے عید نماز پر چلا جاتا ہوں۔ ابا جی تو حلال کے چکروں سے نہیں نکلتے تھے لہذا ٹوٹی سائیکل ہی اُن کا مقدر تھی۔ میری تعلیم نے میرے ذہن کو پراگندہ نہ ہونے دیا۔ حلال اور حرام کے مُلائی چکر سے آزاد ہوں۔ ہر سال نئے ماڈل کی کار اپلائیڈ فار لیتا ہوں۔ خوب داد لیتا ہوں۔ کیا بتاؤں میری پھوپھیاں اور بہنوں نے تو دادا جی اور ابا جی کی وجہ سے سیالکوٹی دروازہ بھی نہ دیکھ پائیں۔ میں ایسی تنگ نظری کا شکار نہیں۔ میں جب دوستوں کے ساتھ فوڈ سٹریٹ نکل جاتا ہوں تو بیٹیاں اپنی اپنی بائیک پر مرضی کے مطابق جہاں چاہیں جائیں۔ کبھی شام اور کبھی رات گئے واپس لوٹ آتی ہیں۔ میں بیٹیوں کو پورے اعضا کے ساتھ سلامت واپس گھر دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ سوچتا ہوں اس ملاّں کو کون سمجھائے جو بار بار اللہ کا نام لے کر اس کا حکم بتا کر پردے کے بوجھ میں تتلی سی بیٹیوں کو قید کرنا چاہتا ہے۔ چند دن کی زندگی کا لطف کیوں کِر کِرا کریں۔ اللہ کا شکر ہے میرا بیٹا اچھا سکالر ہے، ملاّ ازم اور تنگ نظری کے خلاف صف بستہ لشکر کا ہراول ہے۔ دادا اور پردادا کے بوجھ کو بھی شب و روز اتار پھینکنے میں لگا رہتا ہے۔ سچ پوچھو۔۔۔ تو خوش ہوں۔ کبھی کبھی تو سوچ کر بھی جھرجھری سی آجاتی ہے کہ اگر جس طرح ابا جی مجھے قاری صاحب کے پاس حفظ کے لیے لے گئے تھے۔ اگر وہ مجھے حکمت عملی سے پڑھنے کا شوق دلا دیتے۔ اور ڈنڈا استعمال نہ ہوتا۔ میں بھی مدرسے کا عادی ہو جاتا، حفظ کرتا، پھر عالم بنتا، پھر وہی حلال اور پھر وہی حرام کے چکر ہوتے۔ جنت جہنم کی لکیریں پیٹتا۔ مسلمان اور کافر جیسی اصطلاحوں کو پوجتا۔ عورت اور مرد کا فرق کرنا پڑتا۔ بہن، بیٹی، اور ماں جیسے پرانے نام کے رٹے لگاتا رہتا۔ شکر ہے، شکر ہے، میں مولوی نہیں بنا۔ انگلش بھی بولتا ہوں۔ اردو بھی آتی ہے۔ کبھی کبھار پنجابی بول کر بھی محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔ انگلش ہی روانی سے بول سکتا ہوں۔ اردو کچھ اچھی نہیں ویسے اس زبان کا کرنا ہی کیا ہے۔ جو غلاموں کی زبان ہے۔ انگلش تو انگلش ہے۔ قناعت، سخاوت، عجب، عاجزی، جیسی اصطلاحوں کو اپنے اندر تو پنپنے ہی نہیں دیتی۔۔۔ ہاں بیگم کا بتانا تو بھول ہی گیا۔ بڑی سلیقے والی خاتون ہے۔ کبھی میرے

اوپر اپنا بوجھ نہیں ڈالتی ،اپنا کماتی ہے، لاتی ہے، وہی لگاتی ہے۔ میں نے بھی کبھی اپنا بوجھ اس پر نہیں ڈالا۔ دونوں اپنی اپنی ضروریات اپنی ہی صلاحیتوں سے پوری کر لیتے ہیں۔ ہا، ہا، ہا۔ خوب انجوائے کر رہے ہیں یار۔ فجے کے پائے، بٹ کی نہاری، میاں جی کی مٹن کڑاہی، پھر اسٹوڈنٹ بریانی، فریش جوس اور رات گئے تک نائٹ کلب میں دوستوں کے ساتھ ہلا گلا ۔۔اچھا ایک بات سوچ سوچ کے بہت خوش ہوتا ہوں۔ ابا جی بہت جلد دنیا سے چلے گئے۔ ویری فائن یار۔نہیں تو لاہور سے باہر کسی اولڈ ہاؤس پہنچانے کا بھی بوجھ اٹھانا پڑتا اور میری بیگم تو کبھی بھی ابا جی کی بلغمی کھانسی برداشت نہ کرتی ۔ بچاری۔۔کبھی کبھی دقیانوسی سوچ والے مجھے کہہ دیتے ہیں۔قبر میں تیری ٹانگیں ہیں اب تو کچھ حیا کر! میں۔ میں۔۔انکی بات سن کر غصہ تو بہت آتا ہے جی چاہتا ہے کہ انکی ماں، بہن ایک کر دوں لیکن ان میں عدم برداشت زیادہ ہے۔ جواب سے ڈرتا ہوں۔ کہ گلے نہ لگیں۔انہوں نے تو صرف ایک ہی بات سیکھی ہے ۔ غیرت۔۔۔غیرت۔۔۔ اوہوں ۔۔۔جاہل ، تنگ نظر، ملا کی سکھائی، گھسی پٹی باتوں کے غلام لوگ۔۔ میری عمر اور میرے دل کی حالت میں بہت فرق ہے ۔۔اس لئے میرا پسندیدہ سونگ ''ابھی تو میں جوان ہوں'' ہے۔اچھا یار آپکی ساری کہانی میں نے سن لی۔ آپکے بیٹے بیٹیاں پینٹ شرٹ لگاتے ہیں حلال حرام کے چکر میں بھی آپ نہیں پڑتے۔آپکی بیگم اپنا بوجھ خود اٹھاتی ہے ۔ بوائے فرینڈز اور گرلز فرینڈ ،۔۔مام ۔۔ڈیڈ۔۔ہائے۔۔یس۔۔آئی لو یو۔۔ٹو یو۔۔نائٹ کلب۔۔ ملا سے آزادی پہ تو تم نے سب کچھ حاصل کر ہی لیا۔۔۔اب تم کب چاند پر جا رہے ہو؟ مریخ کو کب سیر کر رہے ہو؟ مجھے تم ضرور بتانا ۔یار۔۔ میں تمہاری ''مادر پدر آزاد چاند گاڑی'' کے بڑے سفر کا انتظار کروں گا۔!!بائے بائے۔۔۔۔۔

جدید جاہلیت کے "کرشمے"

جدید جاہلیت نے مادیت کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔اس لیے اہل مغرب کی زندگی کا ہر لمحہ مادیت کی پرستش پر ہی صرف ہوتا ہے۔ پھر مادیت بھی لذائذ وخواہشات اور نفس پرستی جیسی جبلت کو خوب ہوا دیتی ہے۔ روح مادیت سے الگ ہو جائے تو انسان حیوان بنا نظر آتا ہے۔اس لیے اسلام مادیت کو روح کے تابع رکھتا ہے، روح اور مادیت کو الگ الگ نہیں ہونے دیتا۔۔۔یہی وہ اسلام کا وصف ہے جو ایک مخلوق (انسان) کو خالق کی نیابت عطا کرتا ہے۔خوب غور کریں تو جدید جاہلیت انسان کو خواہشات کا ہی غلام بنائے رکھتی ہے۔انسانی زندگی کے شب وروز کی تمام تر محنت خواہشات کی تکمیل پر ہی صرف ہوتی ہے۔لذیذ دسترخوان۔۔۔حسین رہائش۔۔۔جدید سواری۔۔۔جنسی لذات۔۔۔ہی انسانی مطلوب ومقصود بنے نظر آ رہے ہیں۔یہی وہ بیماری ہے جس نے خالق اور مخلوق کے تمام رشتے جڑ سے اکھاڑ دیے ہیں۔حرص وہوس۔۔۔حسد وعناد۔۔۔عداوت وبیزاری۔۔۔ لالچ وطمع۔۔۔خود غرضی وسنگدلی۔۔۔ کے تمام تر چشمیں مادیت پرستی کے کوکھ سے پھوٹتے ہیں۔ جو لوگ روحانی قوت سے تہی دست ہوتے ہیں۔ وہ اخلاقیات جیسی انسانی قدروں سے کوسوں دور ہی رہتے ہیں۔مغرب انسانی خدمات کے نام پر جتنے ہی ڈھونگ رچاتا ہے۔وہ سب مغربی بقاء کے منصوبہ بند مفادات کا حصہ ہوتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خدمت انسانی کا جذبہ تو روحانی قوت کا ہی ثمر ہوتا ہے۔جبکہ مغرب صرف اور صرف مادیت کا پجاری ہے۔اس لیے مغرب کے پیروکار بھی اس رنگ ڈھنگ کے حامل ہیں۔اسلام ہمیشہ جدید جاہلیت کے نشانے پر رہا ہے۔ ہر وہ عمل جسکا حکم اسلام میں دیا گیا ہے، جدید جاہلیت نے اس کے مخالف رسم ورواج کو جنم دیا۔پھر انہی رسوم کی ترویج پر اپنی تمام صلاحیتیں صَرف کر ڈالیں۔کھانے پینے سے لیکر قضائے حاجت تک جدید جاہلیت نے اسلامی طریقہ کار کے مخالفت میں اسلام سے مختلف طریقہ کار وضع کیے۔ پھر انھیں معاشرے میں قبولیت عامہ دینے کے لیے وسیع زر مبادلہ تک صَرف کر ڈالا۔کمزور مسلمان دیکھا دیکھی انہی راستوں پر چل نکلے۔جو جدید جاہلیت چاہتی تھی۔

بلاشبہ جدید جاہلیت نے مادی ترقی میں کئی منزلیں تیزی سے طے کیں۔بدقسمتی سے مسلم حکمرانوں کی غلامانہ ذہنیت اس ترقی میں بڑی رکاوٹ بنی۔مگر۔۔۔کیا جدید جاہلیت میں کہیں "انسانیت" کی ترقی نظر آتی ہے؟ تو جواب، ہرگز نہیں۔۔۔والدین کی خدمت، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، پڑوسیوں کے حقوق، بہن بھائی کے رشتوں کے تقاضوں کا خیال، شرم وحیاء، پاکدامنی وعفت جیسی انسانی بنیادی صفات سے یہ تہی دست وتہی دامن ہیں۔جدید جاہلیت کے پیروکاروں سے پوچھا جانا چاہیے کہ ایسی ترقی کا کیا کیا جائے جو تمہیں بنیادی انسانی حدود سے نکال باہر کرتی ہو۔۔۔؟؟؟

”جو ہے“ سے ”جو ہونا چاہیے“ تک

اسلام دین بھی ہے اور ریاست بھی۔ یہ بات کسی شک شبہ کی متحمل نہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلام ربانی شریعت ہے، جسمیں اسلامی تعلیمات ہیں تو سماجی احکام بھی۔ اس کی تنفیذ اور اقامت کا کام اہلِ ایمان کو سونپا گیا ہے اور مسلمانوں کا جو حکمران ہے وہ اس فرض کا براہ راست مخاطب ہے۔ اگر وہ حکمران شریعت کے ان احکام کے حفظ و اقامت سے سرتابی کرتا ہے تو وہ مسلمان حکمران نہیں رہتا۔ ریاست کے قوانین اگر اس فرض سے اہمال برتتے ہیں تو وہ ریاست اسلامی نہیں رہتی۔ اگر جماعت یا امت اس اہمال پر راضی برضا ہوجاتی ہے تو چاہے زبان سے اسلامی ہونے کا وہ کتنا ہی دعویٰ کرے اسلامی نہیں رہتی۔ مسلمان حکمران کے شرائط میں سے ہے کہ وہ خود فرائضِ اسلام کا پابند و ملتزم ہو۔ خدا کی حرمتوں کو پامال کرنے سے دور رہنے والا ہو۔ کبائر کے ارتکاب سے باز رہتا ہو۔ یہ سب باتیں درست، مگر یہ اس کو مسلم حکمران قرار دینے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ وہ ریاست میں از روئے دستور اس بات کا پابند نہ ہو کہ احکامِ اسلام کا تحفظ کرے اور مسلمانوں کے مابین ان کا قیام کرے۔ دعوتِ اسلام کا حکمرانوں کی بابت وہی موقف ہوگا جو کہ ان کا دعوتِ اسلام کی بابت ہو۔

امام حسن البناء شہیدؒ

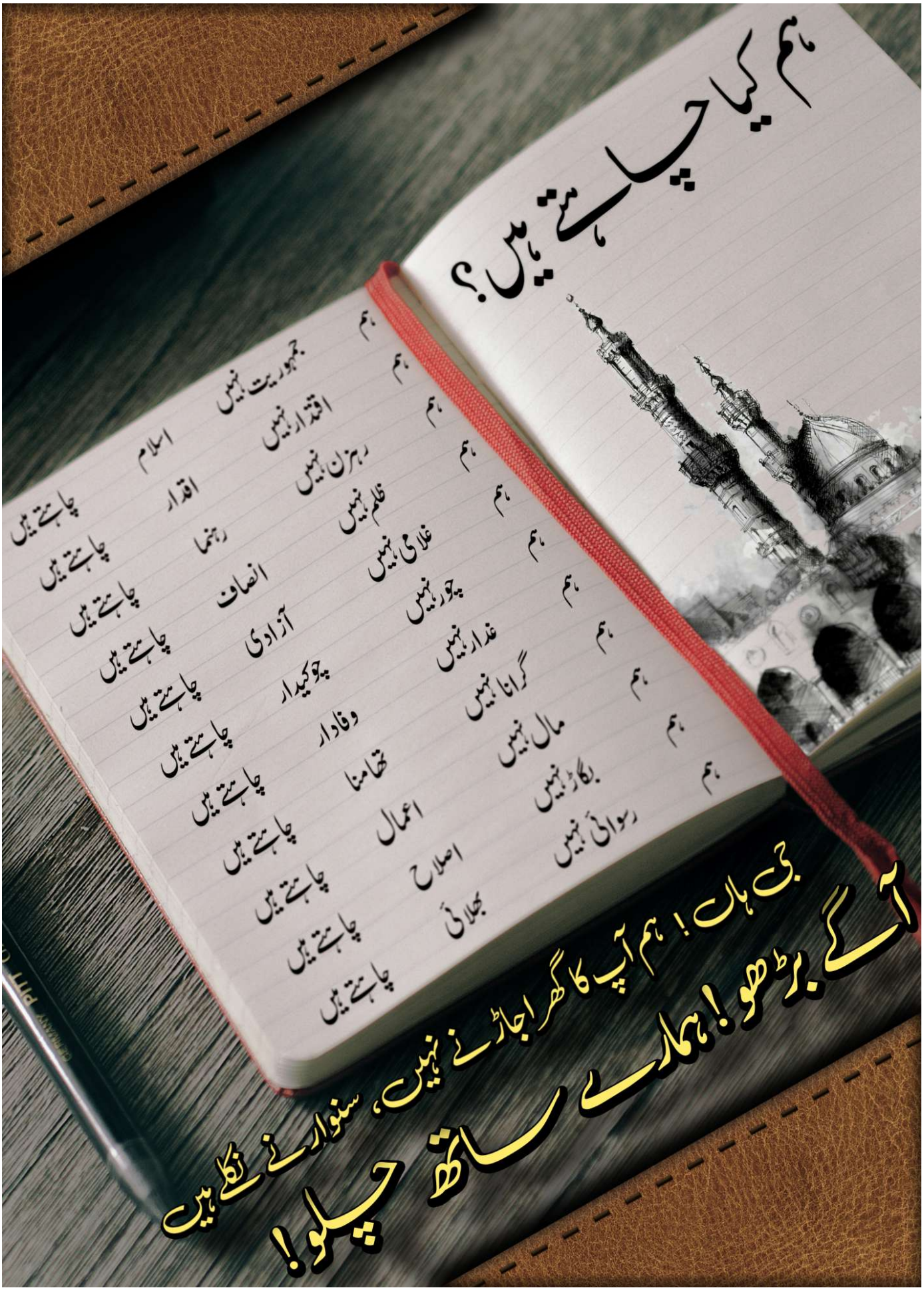
ہم کیا چاہتے ہیں؟
ہم جمہوریت نہیں اسلام چاہتے ہیں
ہم اقتدار نہیں اقدار چاہتے ہیں
ہم رہزن نہیں رہنما چاہتے ہیں
ہم ظالم نہیں انصاف چاہتے ہیں
ہم غلامی نہیں آزادی چاہتے ہیں
ہم چور نہیں چوکیدار چاہتے ہیں
ہم غدار نہیں وفادار چاہتے ہیں
ہم گرانا نہیں تھامنا چاہتے ہیں
ہم مال نہیں اعمال چاہتے ہیں
ہم بگاڑ نہیں اصلاح چاہتے ہیں
ہم رسوائی نہیں بھلائی چاہتے ہیں
جی ہاں! ہم آپ کا گھر اجاڑنے نہیں، سنوارنے نکلے ہیں
آگے بڑھو! ہمارے ساتھ چلو!